

گلارنی کاغذ

اور

زندہ پھول

رفعت سراج

گلانی کاغذ اور زرد پھول

رفعت سراج

طاہر سنز اُردو بازار، لاہور

فون: 7234137-7312159

پیش لفظ

مجھے شادابی صحنِ چمن سے خوف آتا ہے
یہی دن تھے کہ لٹ گئی تھی زندگی اپنی

جذبہ تشکر تو جانور میں بھی ہوتا ہے.....

محبت کی قدر بھی کرتا ہے.....

خدمت بھی کرنے کی اہلیت بہت سے چوپاؤں میں قدرت نے ودیعت کی ہے.....

احساس ذمہ داری صرف انسان میں ہوتا ہے.....

مرد + عورت = انسان.....

آدمی دو ہاتھ پاؤں.....

دو آنکھوں والا.....

بڑی بڑی باتیں کرتا.....

اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ہر آن پینتر ابدلتا.....

خوبصورت باتیں.....

خوبصورت انداز.....

مگر صرف اپنی زندگی.....

اپنے مزدوں کا بندوبست کرتا ہوا.....

آخر کار بلکہ انجامِ کار اپنے جال میں ایک دن خود ہی پھنسا ہوا.....

اللہ نے آدمی کو انسان بننے کے سارے ہتھیار دے دیئے.....

سارے ہنر سکھا دیئے.....

پھر بھی آدم زادوں کا لشکرِ عظیم..... انسان مفقود.....

عورت کو انسان بنانے کی کوشش کون کرے.....؟

کون اس میں احساسِ ذمہ داری کی رُوح پھونکے.....؟

کیا نوزائیدہ بیٹی گناہ گار ہوتی ہے.....؟

خیر اندیش

رفعت سراج

کار جیسے ہی پورچ میں داخل ہوئی ڈھولکی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے سن گلاسز اتار کر اس سمت دیکھا جہاں سے ڈھولکی، تالیوں اور ڈف کی آوازیں آرہی تھیں۔

”شیر خان.....! یہ کس کی شادی ہو رہی ہے.....؟“ اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔
 ”یہ چمن خان کا بیٹی کا شادی ہو رہا ہے بیگم صاحبہ.....!“ اس نے خانساں چمن خان کی بیٹی کے بارے میں اطلاع دی تھی۔

”ارے.....! تو نے مجھے کیوں نہیں بتایا.....؟ کب ہے شادی.....؟“ اسے شدید حیرت ہوئی کہ گھر کے کسی نوکر کے ہاں شادی ہو رہی تھی اور اسے علم تک نہیں تھا جبکہ عموماً تو یوں ہوتا ہے کہ کسی نوکر کے ہاں شادی وغیرہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو وہ سب سے پہلے مالکن کو مطلع کرتے ہیں جس کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ ”مالک لوگ“ اس خصوصی موقع پر کسی ”گرانٹ“ وغیرہ سے نوازیں گے۔

”وہ جی..... آپ تو بہت مصروف ہوتا ہے..... چھوٹی بیگم اور صاحب کو چمن خان

کی لڑکیاں بہت ہوشیار اور سمجھدار ہیں۔ پچھلے وقتوں میں تو نری گاؤ دی ہی ہوتی تھیں۔ ظاہر ہے تعلیم تو ہوتی نہیں تھی جو عقل و شعور اور اچھے برے کی تیز ہوتی۔ آج کل کے بچے سب سمجھتے ہیں۔ اپنا برا بھلا پہچانتے ہیں اور اتنی محنت کرتے ہیں کہ ان کو اچھی کھلائی پلائی کی ضرورت رہتی ہے۔ "فاخرہ خانم تلک کر جواب دے رہی تھیں۔

ایک تو ساس کی اچانک آمد سے ان کا موڈ ہمیشہ کی طرح خراب ہو چکا تھا۔ اس لئے کہ وہ ان کی موجودگی میں خود کو بہت باؤنڈ محسوس کرنے لگتی تھیں۔ خاص طور پر بیگم سیرا فر علی کے معاملے میں ان کو بہت احتیاط کرنا پڑتی تھی جو گزشتہ اٹھارہ برس سے ان کے ہاں سکونت پذیر تھا۔ ماں سے تو پیدا ہوتے ہی محروم ہو گیا تھا۔ باپ نے دوسری شادی کر لی تھی مگر وہ بھی دوسری شادی کے پانچ سال بعد یہ دنیا چھوڑ گئے۔

فاخرہ خانم کے شوہر ارباب علی ننھے بھتیجے کو اپنے گھر لے آئے کہ اب وہ سوتیلی ماں کے ہاتھوں میں تھا۔ اتنا تو انہیں بھی اندازہ نہیں ہو گا کہ سوتیلی ماں کے خوف سے وہ اسے اپنی کھڑی میں تولے رہے ہیں مگر ان کی اپنی بیگم کی کیا گارنٹی ہے۔ اس وقت ان کی بھی نئی شادی تھی۔ بیگم کے لئے دل میں بہت اچھے جذبات تھے اور یقین تھا کہ وہ ان کے ساتھ مکمل تعاون کرے گی۔

ان کی والدہ شروع ہی سے اپنے سب سے بڑے بیٹے شاداب علی کے ساتھ رہ رہی تھیں اور ارباب علی کے ہاں وقتاً فوقتاً آتی رہتی تھیں۔ یہ دو چار دن فاخرہ خانم کے لئے بڑے بھاری ہوتے تھے۔ بات بے بات نوکرہاں پر چلانے لگتی تھیں چونکہ افسر علی کو بھی ساس کے سامنے برا بھلا کہہ کر دل کی بھڑاس نہیں نکال پاتی تھیں تو مزید "ادور لوڈ" ہو جاتی تھیں جبکہ داوی کی آمد کے یہ دو چار دن افسر علی کی زندگی کے بہار کے دن ہوتے تھے۔ کام چور تو وہ تھا نہیں کہ کام نہ کرنے کی وجہ سے وہ اچھا ٹیل کرتا ہو۔ وہ تو فاخرہ خانم کی علی کی سے ان کے لئے ہر ممکن کا سانس لیتا تھا۔

"دیکھو دلہن۔! بات صرف اتنی ہے کہ بچے تو نرم گندمی ہوئی مٹی کی طرح

ہوتے ہیں جس شکل میں ذہال ٹوڑھل جاتے ہیں۔ ذرا شعور بچہ لیں تو پھر کسی بات پر دھیان نہیں دیتے مگر روکنا ٹوکنا ضروری ہوتا ہے تاکہ طبیعت میں احتیاط رہے۔" فاخرہ خانم کی ساس عطیہ بیگم بزرگانہ ذمہ داری کے طور پر بہو کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ انہیں بہو کے مزاج کا بہت اچھی طرح اندازہ تھا مگر وہ بڑی باوقار، صابر اور برداشت کرنے والی خاتون تھیں اور اُلٹا بہو کو "کم عمری" اور "نا تجربہ کاری" کا ایڈواٹج دیتی تھیں۔

"اماں۔! بچوں کو ہر وقت ٹوکتے رہو تو چڑ جاتے ہیں۔ گھروں سے بھاگ جاتے ہیں۔" فاخرہ خانم پھٹ پڑنے کے انداز میں بولیں۔

"تو بیٹی۔! یہی تو عقل سمجھ کی بات ہوتی ہے کہ کس وقت ٹوکنا ہے۔ کس وقت نظر انداز کرنا ہے۔ ہر وقت کی کچ کچ پر تو بلی بھی پنچے نکال لیتی ہے۔" عطیہ بیگم اسی طرح قہقہے کے ساتھ جواب دے رہی تھیں۔

"بھئی۔! ہم میں آپ جتنی عقل سمجھ اور اسٹیمنا کہاں۔۔۔۔۔؟ ہر وقت تو کوئی نہ کوئی بچاری گھیرے رہتی ہے۔" فاخرہ خانم بیزار کن انداز میں بولیں۔

"عقل سمجھ کتابوں استادوں سے کہاں آتی ہے دلہن۔! یہ تو زندگی کے تجربات سے آتی ہے۔ مشکل وقتوں میں غور کرنے سے آتی ہے۔ اچھا چلو چھوڑ۔۔۔۔۔

بدرالدین سے کہہ کر ایک پیالی چائے تو بناؤ۔۔۔۔۔ صبح اندھیرے کی اٹھی ہوئی ہوں سر میں درد ہونے لگا ہے۔" عطیہ بیگم نے بہو کی تیوریاں چڑھی دیکھیں تو قصہ کو تازہ کرنے کی غرض سے چائے کی طرف بات کا رخ موڑا۔

"بدرالدین تو سودا لینے گیا ہوا ہے۔۔۔۔۔ میں افسر علی سے کہہ دیتی ہوں بہت اچھی چائے بناتا ہے اور دادی کو تو پھر بہت ہی اچھی بنا کر پلائے گا۔" فاخرہ خانم کو تو گویا بہانہ ہاتھ لگا۔ اسے فارغ بیٹھا تو دیکھ ہی نہیں سکتی تھیں۔

"اے اے۔۔۔۔۔ اسے کیوں بلاتی ہو۔۔۔۔۔؟" بیٹی کہاں ہے۔؟ بیٹی ذات کو کام

میں اکا کر رہا تھا۔ جو روزی پائیٹ میں پڑتی ہے اسے طحال کہتا ہے۔ عقیقہ

ماں باپ کی زندگی میں چار دن سہولت سے رہ لیں۔ "قاخڑہ خاتم ناگواری کی شدید لہریں دبا کر بھابھ بادل لہجے میں بول رہی تھیں۔

دیا کر بھانڈا ہر بار دل بچے میں بول رہی ہیں۔
 "یا دیر کھو ڈالیں۔! جن بچوں کو بچپن سے کام کرنے کی عادت نہیں ڈالی ہوتی وہ
 جوان ہو کر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ آرام طلب بن جاتے ہیں۔ اپنا بوجھ دوسروں پر
 ڈالتے ہیں۔ بچوں کی تربیت کوئی مذاق بات نہیں۔ ایک عمران کو دینا ہوتی ہے۔
 ہر وقت کا لہرا پیٹ اور آرام انسان کو گناہ کی طرف آسانی سے موڑ دیتا ہے۔ طاقت کی
 جتنی کھائیں تو اس طاقت کو کہیں صرف بھی ہونا چاہئے۔ بڑوں کے تجربہ پر کان نہ دھرو
 ڈالیں۔ تمہارے فائدے کی بات ہے۔" عطیہ بیگم بہو کو سمجھانے کے انداز میں
 بولیں۔

یو ایس۔
 ”نہیک ہے اماں۔۔۔ پہلے آپ کو چائے تو پلوادوں۔۔۔ شام کو ایک پارٹی میں جانا ہے اس کی بھی تیاری کرنا ہے۔“ فاخرہ خانم ساڑھی کا آنچل سنبھالتی لاؤنج سے نکل نکلیں بلکہ جان بچا کر بھاگیں۔ ساس کی آمد ان کے لئے اس دن کا سب سے بڑا ٹینشن ہوتی تھی۔

”ایک تو یہ خان ابن خان آئے دن بیمار پڑنے لگا ہے۔۔۔۔۔ پتہ نہیں نشہ کرنے لگا ہے۔۔۔ کیا مسئلہ ہے۔۔۔؟ مجھے تو بہت پریشانی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ تنخواہ پوری دو۔۔۔۔۔ سروینٹ گوارنٹیئر ہے پڑا ہے اور ہم پیسہ خرچ کر کے بھی پریشان۔۔۔۔۔ میں نکال رہی ہوں پھول خان کو۔“ کاغذہ خانم نے اپنی پریشانی کا ذکر کرنے کے بعد میاں کو فیصلہ سنا دیا۔

ماتے ہیں۔ "ارباب علی نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔
 "دو چار دن۔۔۔؟ میرے سارے پروگرام ٹھپ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ علاج
 معالجے کے لئے بھی روز پیسے دے رہی ہوں۔ آپ کسی دوسرے ڈرائیور کا بندوبست
 کریں۔ بس بہت ہو گیا۔ ان لوگوں کا تو جتنا خیال کرو سر پرچہ جتنے ہیں۔ بیگم
 سپردی بتا رہی تھیں کسی لڑکے کا۔ وزیرستان سے آیا ہے لا کری کرنے۔" قاخرہ خانم
 نے بتایا۔

نے بتایا۔
 ”لڑکا.....؟“ بھئی یہ لڑکے قسم کے ڈرامیور ٹھیک نہیں ہوتے..... گارنٹی کیا بیگم
 سہروردی دیں گی.....؟“ ارباب علی نے موبائل سے کھیلنا موقوف کرتے ہوئے جینک
 کے عدسوں کے پیچھے سے جھانک کر سوال کیا۔
 ”.....“

”ظاہر ہے..... جب اس کی نوکری کی کوشش کر رہی ہیں تو گارنٹی بھی دیں گی۔۔۔۔۔ ان کے ڈرائیور کا کزن ہوتا ہے اور ان کا ڈرائیور بیس سال سے ان کے ہاں کام کر رہا ہے۔۔۔۔۔ اس سے بڑی گارنٹی کیا ہوگی.....؟“

ہے۔ اس سے بڑی کاری کیا ہوگی.....
 ”ٹھیک ہے.....! بلا لو..... انٹرویو کر لو۔۔۔۔۔ اس کا N.I.C کارڈ بھی منگوا لینا۔۔۔۔۔
 بتا دینا جب تک وہ یہاں کام کرے گا اس کا N.I.C کارڈ ہمارے پاس رہے گا۔۔۔۔۔ اس
 کے بغیر ہم کسی کو بھی ملازم نہیں رکھیں گے خواہ کوئی بھی گارنٹی دے۔“ ارباب علی نے
 دوبارہ ہینک سیٹ کر کے موبائل کے فون پیش کرنا شروع کئے۔

”میں آج ہی بات کرتی ہوں۔“ فخرہ خانم بہت خوش نظر آنے لگیں جیسے ان کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔

وہ اپنی دھن میں بڑی بنی ٹھنی تک سک سے تیار پورچ میں آئی تھی۔ ساتھ ہی اپنا ریسٹ وائچ پر بھی نظر دوڑا رہی تھی اسی لئے ابھی تک اطراف پر نظر نہیں پڑی تھی۔ کار کے قریب پہنچی تو جھٹ ڈرائیور نے بیک ڈور کھول دیا۔ وہ اپنے معمول کے انداز میں

بیٹھ گئی۔

”پہلے ذرا رنگون والا چلتا۔۔۔ وہاں سے کسی کو پک کرنا ہے۔“ اس نے بیٹھتے ہی ذرا نیور سے کہا۔

”میں بھی ام نیا ہے۔۔۔ تھوڑا سا آپ کو بتانا ہوگا۔۔۔ ابھی چند دن پہلے کراچی پہنچا ہے۔۔۔ بہت ساری جگہ کا تو ام سمجھ گیا ہے۔“ ذرا نیور نے اپنی سیٹ سنبھالتے ہوئے کہا۔

”ٹانسس۔۔۔ اس طرح کا ذرا نیور کون رکھتا ہے جس کو راستے بتانا پڑیں۔۔۔؟ یہ تو خود ایک ہیڈک ہے۔“ یمنی کا پارہ ہائی ہو گیا۔ وہ تو ویسے ہی لیٹ ہو رہی تھی۔

”ام کو ایئر ریس پتہ چل جائے تو ام سب جگہ جاسکتا ہے۔۔۔۔۔ آٹھ پڑھا ہے اوھر وڑ پرستان میں۔“ ذرا نیور نے مؤذبانہ عرض کی۔

”یہ می نے رکھا ہیں تمہیں۔۔۔؟ پتہ نہیں می کو کیا ہو گیا ہے۔۔۔؟ اتر دم گاڑی سے میں خود ذرا نیور کر کے چلی جاؤں گی۔۔۔ ویسے ہی لیٹ ہو چکی ہوں۔۔۔۔۔ آکر بات کرتی ہوں می سے۔“ وہ ہمدی دھبے سے خود ہی ڈور کھول کر نیچے اتر گئی۔

ذرا نیور خوفزدہ سا ہو کر اس سے پہلے ہی باہر آچکا تھا۔

یمنی نے گاگزیٹ کرتے ہوئے غیر ارادی طور پر اس کی طرف دیکھا۔

”مائی گاڈ۔۔۔!“

وہ ششدری اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ کس قدر حسین مرد اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ تو جیسے سنائے میں کھڑی رہ گئی۔

”کیا نام ہے تمہارا۔۔۔؟“ اس کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔

”نور خان۔۔۔!“ مؤذبانہ جواب ملا۔

سیاہ ٹیشیا کے قمیص شلوار میں وہ پورے قد کا نوجوان تھا۔ مضبوط جسم، پورا قد اور ہاتھ سے پہلے بناؤ حسن، اس پر مستزاد نیلی آنکھیں۔ اس نے کوئی پہلی مرتبہ مرد نہیں دیکھا

تھا مگر یہ تو پتہ نہیں کیا تھا۔ یمنی نے اگرچہ فوراً نظریں ہٹالیں تھیں مگر اندر سے دل کا اصرار تھا وہ بارہ دیکھے۔ اس کی دکاشی کا کھوج لگائے، وہ ہاتھ، دو پاؤں، ایک چہرہ پھر اور کیا خاص بات ہے جو اس کی طرف دیکھنے کو دل چاہ رہا ہے۔

نور خان مالکن کے تیسرے خراب دیکھ کر خوفزدہ سا ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔ آج تو اس کی نوکری کا یہاں پہلا دن تھا۔

یمنی کو اپنی کیفیت پر خود ہی اُلجھن ہوئی۔ وہ ذرا نیورنگ سیٹ پر بیٹھی ڈور کھٹاک سے بند کیا اور چوکیدار کو متوجہ کرنے کے لئے ہارن دیا۔

چوکیدار نے فوراً ہی گیٹ کھول دیا۔ یمنی کو سامنے پا کر گھر کے سب ہی ملازم جو اس باندھ ہو جاتے تھے کہ اس میں لحاظ سروت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

یمنی ڈن سے کار آگے بڑھا گئی۔

نور خان اپنی جگہ سہا ہوا کھڑا تھا۔ لگتا تو یہی تھا کہ نوکری گئی۔

◆ ◆ ◆

”کیوں۔۔۔؟ افسر علی میں کیا برائی ہے۔۔۔؟ جو میرا خاندان ہے وہی اس کا۔۔۔۔۔ کمر میں رشتہ ملنا تو خوش قسمتی کی بات ہوتی ہے کہ سب کچھ دیکھا بھالا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ تم پتہ نہیں کیا سوچ رہی ہو۔۔۔؟“ ارباب علی آف موڈ میں بیگم سے بحث کر رہے تھے جو اس وقت یمنی کی شادی کا موضوع چھیڑے ہوئے تھیں۔

”وہ آپ کا اپنا خون ہے اس لئے آپ کو اس میں کوئی برائی نہیں نظر آسکتی۔ کیا ایٹلس ہے اس کا۔۔۔؟ نہ پرسنالٹی۔۔۔۔۔ نہ اسٹیٹس۔۔۔۔۔ نہ کوئی ہائی فائی کو انکلیکشن۔۔۔۔۔ اکلوتی بیٹی ہے۔۔۔۔۔ کیوں اسے اونے پونے نمٹانے کا سوچ رہے ہیں۔۔۔؟“ قاخرہ خانم کالبالی شوٹ کرنے لگا۔ افسر علی کا نام سنتے ہی دماغ میں آندھیاں چلنے لگی تھیں۔

”پرسنالٹی کیا خاک ایتھر (Appear) ہوگی۔۔۔؟ نوکر بنا رکھا ہے اسے لیکن میں جانتا ہوں اس کی پرسنالٹی بہت اسٹرونک ہے۔۔۔۔۔ فرسٹ ایتھر سے وہ ہوم ٹیوشن دے رہا

ہے۔ کتنے سال ہو گئے اس نے مجھ سے اپنی قمیضیں مانگی۔ کپڑوں جوتوں کے لئے روپے پیسے کا تحفہ نہیں کیا۔ کتنی مرچ میں نے اس کے ہاتھ میں کچھ دینے کی کوشش کی مگر وہ نہیں لیتا کہ بچا جان پیسے ہیں میرے پاس۔ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنے بچے کے لئے کچھ نہیں کرتا۔ اتنا غیر متند اور خود دار ہے۔" ارباب علی غضبناک سے ہو کر بات کر رہے تھے۔

تو گھر تو مفت میں ملا ہوا ہے۔ ہم کون سا اس سے کھانے پینے کے پیسے لیتے ہیں۔؟ کرے گا کرایہ لیتے ہیں۔؟" قاخرہ خانم تاک چڑھا کر بولیں۔

"میری آنکھ بند ہونے کی دیر ہے تم یہ بھی لینا شروع کر دو گی۔ دوسری صورت میں گھر سے نکال باہر کر دو گی۔ مفت میں نہیں کھاتا ہے وہ۔ چا کر کرنا ہے تمہاری۔ مجھے اندھا مات سمجھو۔ میں اس لئے خاموش رہتا ہوں کہ چلو وہ تمہارا احسان نہیں لے رہا۔ کم از کم اس طرح وہ سکون سے تو رہتا ہو گا۔" ارباب علی کا غصہ انتہاء کو چھو رہا تھا۔

"میں بیٹی کا رشتہ باہر پرگز نہیں کروں گا۔ جو دولت میں نے دن رات کی محنت کر کے حاصل کی ہے وہ میں غیروں کو کیوں دوں۔؟ اس سے میرے اپنے خون کو سہولت کیوں نہ ملے۔؟"

"تو اپنے خون میں یہ سب کچھ سنبھالنے کی اہلیت بھی تو ہو۔ اس میں چار بندوں کو کماؤ کرنے کی صلاحیت نہیں۔ کوئی ادارہ چلائے گا۔ ہونہ۔؟" قاخرہ خانم بھی چونکہ بیٹی کا رشتہ اپنی مرضی سے کرنے کا تہیہ کر کے بیٹھی تھیں اس لئے کوئی دلیل ان میں لپک پیدا نہیں کر سکتی تھی۔

"اوہ۔؟ تو بھی تم نے اسے موقع ہی کب دیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتیں آشکار کرے۔ تم جیسا کماؤ اس گھر میں ہوتے ہوئے کسی کی مجال ہے۔ قاخرہ خانم۔! نہ وقت ایک سا رہتا ہے نہ ہی عمر۔ آج ہاتھ ہلکا رکھ کر چلو تاکہ یہ آج کے بچے آنے

والے وقت میں تمہارا ساتھ دیں۔ تمہارا خیال کریں۔ اتنا بڑا رمت کرو کہ تم سے جان چھڑانے کی ترکیبیں سوچتے لگیں۔" ارباب علی اب ذرا دھیمے پن سے گویا ہوئے اور کچھ احساس دلانے کی کوشش بھی کی۔

"میں ان کے آسرے میں نہیں ہوں۔ اور مجھے کسی سے کوئی اچھی توقع بھی نہیں ہے۔" قاخرہ خانم کی ٹون اسی طرح تھی۔ اعشاریہ کے حساب میں بھی کوئی تبدیلی نہیں تھی۔

"خود سری دوسری کسی دلیل سے قابو میں نہیں آتی۔ بس قدرت کی طرف سے گرفت ہو تو ہو۔ بہر حال یہ طے ہے کہ میں بیٹی کی شادی افسر علی کے علاوہ کسی سے نہیں کروں گا۔"

"تو پھر میں اس شادی میں شرکت نہیں کروں گی۔؟" قاخرہ خانم نے دھمکی دی۔

"لاحول ولا قوۃ۔! آخر کس قسم کی عورت ہو تم۔؟ بچوں کے مستقبل کے فیصلے کرتے وقت جذبات کی نہیں بلکہ ہوش و حواس کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم نے جس انداز میں بیٹی کی پرورش کی ہے اب وہ ہر کسی کے بس کی نہیں رہی۔ کوئی سمجھدار اور دھیمے مزاج کا بندہ ہی اسے نباہ سکتا ہے۔ شادی ہونا کوئی خاص بات نہیں ہوتی۔ بات ہوتی ہے شادی چلنے کی۔" ارباب علی نے اب سمجھانے کی کوشش کی کہ بہر حال مرضی کا فیصلہ کرانے کے لئے دو طرف کی کندی تیزی نقصان دہ ہوتی ہے۔

"اس قسم کے فتنوں کے لئے میں نے بیٹی تیار نہیں کی ہے۔ وہ اپنے ہی اسٹیشن کے لوگوں کے ساتھ چل سکتی ہے۔ وہ ماسیوں والے کام نہیں کر سکتی۔ نہ ہی ہم نے کرائے ہیں۔ ارباب علی۔! مجھ پر زور زبردستی کر سکتے ہو مگر بیٹی پر نہیں۔ اگر کوئی غلط فہمی یا خوش فہمی ہے تو بیٹی سے بات کر کے دیکھ لو۔" قاخرہ خانم اسی کیفیت میں بولیں اور ان کا جملہ بہت کارگر ثابت ہوا۔

اور باب علی کو یا جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ یہ تو حقیقت تھی۔ وہ بھلی پر مشاوری کے سلسلے میں کوئی زور و زبردستی نہیں کر سکتے تھے۔ اسے راضی کرنے کے لئے قاخرہ خانم کو ہم خیال بنانا بہت ضروری تھا۔

انہوں نے گہری سانس لے کر صوفے کی بیک سے پشت لگا لی اور آنکھیں بند کر لیں۔

”دیکھو اور باب علی۔۔۔! اقربا پروری بہت اچھی بات ہے۔ مگر اولاد کو اس پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔“ شوہر کو دھیما پڑا دیکھ کر اب قاخرہ خانم نے بھی رسائی سے بات کی۔

جواب میں اور باب علی قطعی خاموش تھے جیسے محسنان کارن لڑنے کے بعد فوج مائے میں سستار ہی ہو۔



”گڈ گاڈ۔۔۔! یہ بیا کو خیال کیسے آیا۔۔۔؟ وہ اسٹوپڈ اس لائٹ ہے۔۔۔؟“ بیٹی نے بڑی ادا سے چھت کی طرف گھورتے ہوئے اپنے بال ستوارے۔

”ارے بس۔۔۔! کسی بہانے سے اپنی دولت اس حرام خور کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ تم سے بھی بات کریں گے۔ باپ کی محبت میں زیادہ ایسوشنل ہونے کی ضرورت نہیں۔ صاف انکار کر دینا۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہیں می۔۔۔! میں اتنی ایسوشنل نہیں ہو سکتی کہ اپنا بیڑہ غرق کرنے کو تیار ہو جاؤں۔۔۔ جو مجھ سے ایک منٹ برداشت نہیں ہوتا اسے عمر بھر کے لئے برداشت کرنے کو تیار ہو جاؤں۔ بس می۔۔۔! بہت ہو گیا۔ اب آپ کسی طرح اسے چلتا کریں ورنہ وہ اس گھر پر ہی قبضہ کر لے گا۔ پورا ڈرامہ ہے۔۔۔ یہ جو سیدھے نظر آتے ہیں یہی کام دکھانے والے لوگ ہوتے ہیں۔“

”تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ میں کرتی ہوں اس کا بندوبست۔۔۔ اس

کے انگرام ہونے دو۔“

”مجھے تو حیرت ہوتی ہے کس قدر ڈھیٹ بندہ ہے۔۔۔ پتہ ہے کہ ہم لوگ اسے پسند نہیں کرتے پھر بھی ڈٹا ہوا ہے۔ کوئی غیر حسد خود دار ہوتا تو کب کا بھاگ جاتا۔“ بیٹی نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”ارے تو کچھ سوچ کر ہی ڈٹا ہوا ہے۔۔۔ نل فیسلیر کے ساتھ رہتا ہے۔۔۔ چچا نے بہت اچھے اچھے خواب دکھائے ہوں گے۔“ قاخرہ خانم جل بھن کر بولیں۔

”چند دنوں کی بات ہے می۔۔۔! اس کے سارے رنگین خواب ڈراؤنے خواب بن جائیں گے۔“ بیٹی نے مکمل اعتماد سے کہا۔

”ارے بیٹی۔۔۔! میں تو ایک دن میں اس سے منٹ کر فارغ ہو جاؤں۔۔۔ مگر وہ تمہاری دادی۔۔۔ تمہارے باپ کا قبلہ کعب۔۔۔ ان کی وجہ سے مجھے بہت کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ ایک روز یونہی اتفاق سے تمہاری دادی سے ذرا اونچا بولی تھی تو

تمہارے والد صاحب فرمانے لگے قاخرہ خانم۔۔۔! مجھ سے کتنی ہی بدسلوکی بدزبانی کرو میں سہہ سکتا ہوں۔۔۔ خبردار۔۔۔! میری ماں سے اونچی آواز میں بات مت کرنا ورنہ تین

لفظ منہ سے نکالنے میں دیر نہیں کروں گا۔“ قاخرہ خانم نے فریڈ عباسی کی نقل اُتارتے ہوئے کہا۔ بھلی حیرت سے منہ کھولے ماں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”تمین لفظ۔۔۔ مین (Mean)۔۔۔؟“

”ارے۔۔۔! تمین طلاقیں اور کیا۔۔۔ ماں کے سامنے کسی کو نہیں گردانتے۔۔۔ بڑا

صبر کر رہی ہوں۔۔۔ ایک تو تمہاری دادی کو دنیا میں پورے سو سال جینے کا شوق ہے۔۔۔

ہائی چیپک کھانا کھاتی ہیں۔۔۔ تھوڑا کھاتی ہیں۔۔۔ رات کو گرم دودھ ضرور پیتی ہیں۔۔۔

کار میں جانا پسند نہیں۔۔۔ پیدل بہت چلتی ہیں کہ پیدل چلنے والا بندہ فٹ رہتا ہے۔۔۔

بیماریوں سے دور رہتا ہے۔۔۔ میرے تو تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے جب وہ

تمہارے کھانے پینے پر ٹوک لگاتی ہیں۔۔۔ ڈلہن۔۔۔! یہ مت دیا کرو۔۔۔ وہ مت دیا

۱۰۔ گرم تاشیہ کی چیڑیں مت یاد کرو۔ حوصلہ پٹی سے آزاد پھرنے سے
کاشت اور پھسلی تکی مت یاد کرو۔ یہ چیڑیں ایک ٹوسٹ کرتی ہیں حوصلہ سہانی مشقت
کرتے ہیں۔ حوصلہ تے ہیں اور چپتے ہیں۔ عمر بیٹ حدی و ماغ۔ و تو شیطان ۱۰۰
پل جاتا ہے۔"

”وہ کیا کتنی عقل مند ہیں تمہاری دادی؟ کتنے طریقے سے تمہارے کھانے پر دھنکی میں فارغ و نام نہ مٹی کے سارے جی مھر کر بھڑس نکالی۔“

”تو، دی باں کو یہ تکلیف ہے؟“ مہیا نے سے، اپ کھانے پینے کے چمچے دیتے ہیں۔“ یہی ایش ہو۔ لگی

”اے ’پرہیزگار‘ کی عمرت میں حسنِ حسد سے درِ کجھ نہیں
ورنہ دادیاں تو اپنے ہاتھ سے جانے کیا کیا بنا کر پوتے پوتیوں کو کھلانی ہیں
”اے دلہن! میں وہی فاحشہ پھیلا جا رہا ہے گھر کے کام کرایہ
رو سسیرا ہوا ہر بات میں ٹوک۔ وہی نے دماغِ حراپ کر کے بھدیا
ہے۔“ فاحرہ خاتم نے زور سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر ہٹایا۔

تھوڑی دیر میں "آپ کیوں اپنی جاں بھرتی میں؟" سم وں سہان کی
 بیوی پر عمل کر رہے ہیں؟ "ہمارے بچے، اب ہے جیسے مری گوار ہیں" "بھئی نے
 لا پرواہی سے شائے اچکاتے ہوئے کہا۔

ہاں نہ۔ ست ظلم تھی۔ جذبات میں ایسے سا رہا ہو گیا تھا چند مناظر بار بار
میں نے پر اسے پر عمل رہے تھے۔ آنکھوں سے میدہ بڑھ چکی تھی۔ سید پر کرہ نہیں میں بدل
تھبتائی تھی۔ اندر بچے میں آنکھ لڑی ہوئی۔ غیب سے مفصل میں اترتے گئے تہائی کا
شدت سے احساس ہو ویراں کی خالی رات ساری اعلیٰ تھائی تاکا ناں پر قدر کھو
منہیں۔ یوں کیا پاس تھو بھی تو نہیں ہے۔

23

”اے بچوں! ہمارے گھر کے گھونٹے سے کچھ نکلے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے بچو۔“

”کیسے؟“

”میں نے سنا ہے کہ اس سے بچنے کے لیے اس کے گرد لکڑی کا ڈھیر بنانا پڑتا ہے۔“

”شاید وہی حرف چلے گیا۔“

”شاید وہی جان نہیں بچا۔“

”شاید وہی جان نہیں بچا۔“

فلم کی طرف چھ گیا۔
 "شاید رادیو جان نہیں کہتی ہیں میں سوئی ہوئی جا رہی ہوں۔ شاید ان سے
 ہندم سے لڑکے کو مجھ میں انریکشن فیل نہیں ہوتی۔" اس نے رادیو سے سنا۔
 معاً سے حساس ہوا ان میں کوئی تکی چھ پرین ہے۔ اس سے فوراً فسر علی کی
 طرف گیا۔
 صبح ۷ بجے
 پھر سارا دن ہستہ

طرف گیا۔
 ”مگر وہ تو جلدی سو جاتا ہے صبح سویرے بھی تو اٹھتا ہے پھر سارا دن بستہ
 کی طرف نہیں دیکھتا... پھر یہ کون ہے؟“ وہ ہرا خیال آتے ہی پھر ایک سوال پیدا
 ہو۔

وہ تحس سے پیچھا نہیں چھڑا سکی اور کمرے سے نکل کر لان کی طرف چلی گئی۔
اسے روپے کا بھی ہوش نہ رہا تھا۔ بیچ کے قریب پہنچ کر اسے حیرت کا صدمہ کا سا لگا۔ بیچ پر
نور خاں ڈرائیور سو رہا تھا یا شاید۔ نکلیں بند کر کے لیٹا ہوا تھا۔ قیص امارت گہرا لے سا بنا کر
بچنے پر رکھی ہوئی تھی۔

سوچتے ہوئے پر رسی ہوئی کی۔
 ”تور خان! یہاں کیوں سو رہے ہو؟“
 ”اس نے حکم دیا کہ لچے میں سوال کیا۔“
 ”اچھا! پتہ چل گیا ہے۔“

نور خان نے ہٹ سے آنکھیں کھول دیں اور ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ شرمندہ
شرمندہ ہی مسکراہٹ کے ساتھ قیصر پہنچے گا۔ اس نے ابھی تک نڈا اٹھا کر بجنی کی طرف
نہیں دیکھا تھا۔

اس ایسے ہی بی بی انید میں رائی تمی ہندی ہوا میں آ کر لیٹ گیا
تپ ناراض نہ ہوں میں کہ رڑ میں چلا آتا ہوں۔ بقیہ کھچ رہا ہے کرتے ہوئے
انھو کہہ ہو

میں نے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ خوابیدہ آنکھیں، اٹھنے والی چھٹ سے بھی
تھوڑا سا چمک سکتی تھی۔ لگی ہوئی کمرے میں کمرے کے کمرے میں
ہم نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

میں نے اس کی سیدھاٹھی میں جبر دوپٹے سے اس سے مقابلہ کرتی تھی۔
مگر پورا ٹھوس تھا، کھانا پینا نظر آتا تھا۔ رات تھی تو تھیں، آٹک اور پھونس کیلئے
نئے نئے ستارے میں ہلا کی خلیب ہوتی ہے۔ دونوں لاجواب کھڑے تھے۔ دو دو
اس کے شیش کا قباب آتا تھا۔ آدم و حوا کے ارمیاں ڈیرہ فٹ کا ہمد
نہ جھوٹ کی تھی اس سے۔ دونوں میں کھانے کے بل گرتے ہیں۔

مگر اس کے جس پیش پرست۔ میرا دماغ وہاں مٹی تو بہت تڑپاتی ہے جھاڑ
سے باریک، ایک ٹکڑی کی طرح جب چاہوں تو ہاتھوں میں لے کر تڑپ کر رہا ہوں۔
میں نے اپنی بیوی سے خود ہی ہراساں ہو گئی۔ جلدی سے خود کو کنٹرول کرنے کی
کوشش کی اور پست گئی۔ وہ غار خود اٹھن میں پڑ گیا تھا۔ اس کی پیاسی نظروں نے دور
تک ایک کا پتہ دیا۔

♦ ♦ ♦

میں نے اپنے بڑے دماغ میں کمرہ چھپ سے سنا۔
"میرے دماغ میں اس سے بڑی گہری باتیں کبھی جیسے ہی مسافت طے کر
سکتی ہیں۔"

"یہ کیا ہو گیا تھا مجھے؟" اس نے اس کی ضرورت تھی مگر پھر چھ بھی محسوس ہو رہا
تھا۔ اس کی قسم کا خوف محسوس نہیں ہو تھا۔ مٹی چاہتا تھا۔ پھر سے کی کیفیت سے
"پتا چلا۔"

نہ صرف وہ محسوس تھا بلکہ ایک سچائی جو منظر کی بار بار اس کے پاس سے گزر رہی
تھی۔ اس کی کیفیت تبدیل ہو گئی۔ غیب کی جھنجھٹ سے اس کی تپش پھیل گئی۔

تھیں۔ جی چاہتی ہیں اٹھ کر دیر پر پڑے رہے۔ شیشے کے گلدان کرچکے۔
دے۔

ہری طرح بے سکون ہو گئی۔ نہ کھڑے تھیں نہ لیٹ کر آرام۔
ساری دنیا سوری ہو اور ایک بندہ جاگ رہا ہو تو اس کے جانتے کی ضرورت کوئی خاص
وجہ ہوتی ہے اور یہ وجہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ سونا چاہتی تھی بے خبر ہونا چاہتی تھی مگر
بے بس تھی۔ معا سے خیال آیا کہ میں کبھی کبھی بہت ٹینس ہوتی ہیں تو نیند کے لئے کوئی
ٹیمپلیٹ یور کرتی ہیں۔ نام اس کے ذہن میں نہیں آ رہا تھا اب اسے اتنا دھیان تھا کہ اس
ٹیمپلیٹ کا رنگ ہلکا گلابی ہے۔

وہ ایک دم پڑ جوش کی ہو گئی۔ ایک اذیت ایک عذاب سے جان چھوٹنے کا امکان
پیدا ہو گیا۔ وہ جلدی سے کمرے سے نکل کر ڈائننگ میں آ گئی۔ فریج کھلا۔ اور میڈیسن
باس میں مطلوبہ ٹیمپلیٹ تلاش کرنے لگی۔ ایک گلابی ٹیمپلیٹ کا پورا پیکٹ ہاتھ میں لیا مگر
ٹیمپلیٹ کا سائز اچھا خاصہ بڑا تھا اور اس کے حافطے میں گولی کا چھوٹا سا سائز محفوظ تھا۔ اس
نے ٹیمپلیٹ کا نام پڑھ کر پیکٹ واپس رکھ دیا اور نئے سرے سے تلاش کرنے لگی۔ بہر حال
اسے وہ Ovalo شپ کی چھوٹے سائز کی ٹیمپلیٹ نظر آ گئی۔ اس نے اسٹ پیٹ کر دیکھا۔
پونسی دیکھی 0.25mg لکھا تھا۔ چند لمحے وہ تذبذب میں پڑی رہی کھانے نہ کھانے۔
بہر حال اس نے ہمت کر کے کھا ہی لی۔

صرف اس احساس ہی سے اسے بہت سکون محسوس ہوا کہ اب تھوڑی دیر بعد وہ
گہری نیند سو جائے گی اور جب تک دل چاہے گا سو جائے گی۔

♦ ♦ ♦

السر علی اوپر ٹیبلٹس پر چھوٹی سی دیر کی پچھتاہٹ میں پھید سے میٹھا تھا۔ وہ مکمل طور پر
اپنے آس پاس سے بے خبر اسٹڈی میں منہمک تھا۔ ہاتھ میں قلم تھا جو اس کے قلم دان سے
ایک نوٹ بک پر استعمال کرتا تھا۔

"افسر علی - اذرا جلدی سے اٹھو۔" فاخرہ خانم بڑی اقرار قری والی حالت میں
برہن میں آئیں۔

افسر علی نے چونک کر سر اٹھایا۔ فاخرہ خانم کی اچانک آمد اور ان کی بات اس کے
پٹ نہیں پڑی۔ اس نے کہہ کہیں در پہنچا ہوا تھا۔ اس نے خالی خالی غصوں سے ان کی
طرف دیکھا۔

"اوسے... اسکی لکر لکر دیکھے جارہے ہو...؟ پہلی بار دیکھ رہے ہو...؟ جلدی
سے یہ کتابیں سینو اور نور خان کے ساتھ بلوچ کالونی جاؤ... پہلی اپنی دوست کی برتھ
ڈے میں گئی ہوئی ہے اسے لے کر آنا ہے... نور خان وہاں آسانی سے پہنچ نہیں سکے
گا... اس شہر میں بھی نیا ہے... ڈرائیو اچھی کرتا ہے... یہ مدار ہے اس لئے یہ درو
سری اٹھ رہی ہوں... چند دنوں میں سب راستے جان جائے گا... تم سے تو دیکھ ہوا
ہے ناں... فرماؤ گا گھر...؟ کئی مرتبہ یعنی نے جنہیں کام سے بھیجا ہے وہاں۔"

"اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے بہت تو اتر اور بخت کے انداز میں بول رہی تھیں
... سر علی قلم بد کر کے خاموشی سے کتابیں فائیں وغیرہ سمیٹ رہا تھا۔ اس کی خاموشی کا
مطلب ہی "اوسے" کے تھا۔

"مجھے تو خود میلاد میں جانے کی جلدی ہے... بہت لیٹ ہو گئی ہوں... میری
رات تو خیر گاڑی بھیج رہی ہے... میں تو وقت سے جانا ہی ٹھیک ہوتا ہے
میلاد کے بعد ابر بھی ہے... تم اپنے بچے کے ساتھ کھانا کھا بیٹا... ہم دوگ تو ابر ہی
کھا لیں گے۔" وہ زینہ اترتے ہوئے بھی بولے چلی جا رہی تھیں۔

افسر علی سے کتابیں سمیٹ کر اری تہہ کی مغرب کا وقت حتم ہو چکا تھا۔ رات ن
... ان بھل رہی تھیں۔ پورا مغربی فتن اس کے سامنے تھا جہاں گدیاں بھی جھلک
... تھیں۔

کتابیں سینے سے لگائے، بغل میں دبی دبائے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

کل اس کا بہت ہم نیست تھا۔ وہ بہت موڈ سے تیاری کر رہا تھا اور مانتا تھا اور ہو چکا
تھا کہ ابھی تک جیسے کچھ نہیں پاتا تھا کہ یہ آٹا خانہ ہوا کیا۔

اس کی نظر نیچے کپا وٹ میں پڑی نور خان کا چپکا رہا تھا۔ کون سا قافی مشہور آیت
میں سنگھار رہا تھا۔ اسی وقت ایک بلیک کٹر کی چم چم کرتی کار میٹ پر آکر رکی اور رور سے
برٹ بجا۔

چونکہ رنے میٹ کی کٹر کی سے کچھ بات کی پھر اندر ایشور کام پر اطلاع دی اور فوراً
اس اپنی سازشی سہ لقی فاخرہ خانم باہر آگئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے کار میں بیٹھ کر چلی بھی
گئیں۔

افسر علی نے گہری سانس لی۔

"کھانا پینا... فکشنز... پارٹیر... ملیوسات کی تیاری... فون پر بڑی فرصت
سے بے تکان باتیں... بے وقت سونا... بے وقت جاگنا... ایک ایک لمحہ اپنی مرضی کا
پھر بھی غصہ ناک پر دھرا ہوا... طبیعت میں سہنے اور برواشت کرنے کا کوئی عنصر ہی
نہیں... ان نعمت یافتہ انسانوں کو تو بطور شکرگزاری بہت اچھے مزاج کا ہونا چاہئے

کنزور اور حالات کے ماروں پر بہت مہمان ہونا چاہئے... مگر وہ بچپن سے ایکٹ چل
آ رہا تھا کہ نعمت اور غصہ دونوں ساتھ ساتھ بڑھ رہے ہیں... اس کے سوتوں پر پست
اور معنی خیزی مسکراہٹ ابھری اور فوراً ہی معدوم ہو گئی جیسے چوہا... خیال... راستہ مار
... گیا۔

وہ قدم مزید آگے بڑھا۔ نور خان شہر کا رکو چکا اس میں مصروف تھا۔

"نور خان...! تم تیار ہو...؟" اس نے بند آورے سے نور خان کو متوجہ کیا۔

"جی صاحب...! ام بالکل ریڈی اے اور آپ کا وقت کرتا ہے... وہ سی طرح

موج سستی کے موڈ میں جواب دے رہا تھا۔

"ابھی آپ کو تیاری میں کتنا شیم لگے گا صاحب... نور خان سر اٹھا کر تیرے

حرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"میں تیار ہوں۔ میں تو ہر وقت تیار رہتا ہوں بھائی۔۔۔" آدھا جملہ بند
آواز سے اور آدھا اس نے زیر لب کہا تھا۔

وہ کتابیں رکھ کر نیچے اتر اور ایکسڈروشن لائنس آف کرتا ادھر ادھر ڈممداروں کی
طرح نظر دوڑاتا پوریج تک آیا۔ نور خان پچھل دروازہ کھولے منتظر تھا۔

افسر علی نے ہاتھ بڑھا کر اگلا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ
پر بیٹھ گیا۔

"میرے لئے دروازے و دروازے کھولنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ اپنے جیسا ہی
سمجھو۔" وہ بظاہر بڑے عام اور سادہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"گاڑی کو سیدھے ہاتھ پر ڈال دو۔۔۔ ہسپتال سے اُلٹے ہاتھ پر لے بیٹا۔" کار
جیسے ہی گیٹ سے باہر آئی افسر علی نے نور خان کو راستہ سمجھایا۔

کار رواں دواں ہو گئی۔ افسر علی ایک بت کی طرح خاموش بیٹھا تھا۔ نظر وٹ
اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

"صاحب۔۔۔! آپ ارباب علی صاحب کا رشتہ دار ہے۔۔۔؟" نور خان نے
ایک نظر پھر بے ہوئے افسر علی پر ڈال کر قدرے ہلکے پوچھا۔

"ہوں۔۔۔!" افسر علی نے ہنکارا بھرا۔
"آپ ادھر پڑھائی کے واسطے آئے ہو دوسرے شہر سے۔۔۔؟" نور خان نے پھر

سوال کیا۔
"میں یہیں رہتا ہوں۔۔۔ جب سے ہوش منبھالا ہے۔۔۔ نہ کہیں آیا۔۔۔ نہ گیا۔"

افسر علی نے پٹ کے میں جواب دیا۔
"یہ مطلب یہ کہ صاحب اور بیگم صاحبہ ہی آپ کے ماں باپ ہیں۔۔۔ بڑے

عقب میں۔۔۔ نور خان کے سکے سے عقیدت جھٹکنے لگی۔

"ہاں۔۔۔ میرے چچا بہت نیک ماں ہیں۔ انہوں نے میرے بہت خیالات
مجھے ان سے بہت محبت ہے۔ شاید کسی طرح جیسے کسی بیٹے کو اپنے باپ سے

ہوتی ہے۔" افسر علی نے روپوش کے عمار میں پاٹ بچکے میں کہا۔
"خیر۔۔۔ ام کو تو صاحب سے بہت ڈر لگتا ہے۔ ام اس کو کبھی مسکراتا نہیں

دیکھا۔" نور خان نے اپنے حساب سے بتنا ڈر چہرے سے ظاہر کر سکتا تھا کیا۔
"اس گھر میں مسکرتا منع ہے۔" افسر علی کا لہجہ اب تلخ تھا۔

ہسپتال آ گیا تھا۔ افسر علی نے نور خان کو بائیں جانب ٹرن لینے کے لئے کہا جو ٹرن
روڈ نہیں تھا سروس روڈ تھا۔ بے نیلے پر سے گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔

نور خان نے اُلجھ کر افسر علی کی طرف دیکھا۔ بہر حال اس کی ہدایت پر عمل کیا۔



نور خان مطلوبہ ٹھکانے پر پہنچ کر کار سے باہر ٹیک لگا کر مینی کا ہتھ رکھنے کا جبکہ
افسر علی اسی طرح سیٹ پر بیٹھا رہا۔ اندرون سے برتنوں کے کھٹکنے، باتوں اور فنی چہتہوں

کی آوازیں آرہی تھیں۔ لان میں اضافی روشنیاں تھیں جو اندر کسی تقریب کی نشاندہی کر
رہی تھیں۔

بہت پر شکوہ مل رہا تھا اور اس پاس بنی ہوئی کھٹیوں میں ممتاز نظر آرہی تھی۔ گیٹ
پر پینل کے لیپ سونے کی طرح چمک رہے تھے۔ باہر کاروں کی قطاریں تھیں جس سے

ثابت ہوتا تھا کہ یہ بڑے پیمانے کی تقریب تھی۔

"بڑا پیسہ ہے لوگوں کے پاس۔۔۔ ام حیران ہوتا ہے اتنا پیسہ کدھر سے آتا
ہے؟ مہینے سال سے شاہی کے واسطے پیسہ جمع کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کبھی

خاندان میں کوئی شادی ہو جاتا ہے۔ کبھی ماں یا پر پڑ جاتا ہے۔" نور خان تھوڑے
اکٹا کر باتیں کرتے لگا۔

افسر علی نے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا ہوا تھا اور ۱۲ بند کر دیا تھا۔ وہ

بہت توجہ سے نور خان کی بات سن رہا تھا۔

”اس دنیا میں کسی شے کی حد نہیں ہے نور خان۔“ اس عبارت کی کوئی حد ہے
 نہ اس بات کی وہ ایک شعر بڑے کمال کا پڑھایا تھا کبھی ابھی ابھی یاد آیا ہے کہ
 غریب شہر تو قاتل سے مر گیا
 امیر شہر نے ہیرے سے خودکشی کر لی

افسر علی نے عجیب لہجہ اور تلخ مسکراہٹ کے ساتھ نور خان کو جواب دیا۔

”واہ صاحب! کیا شعر ہے۔۔۔ ویسے ام کو شعر شاعری سمجھ نہیں آتا لیکن یہ
 سیدھا سیدھا بات ہے کچھ میں آگیا ہے۔“ نور خان نے بڑے جذباتی انداز میں
 کہا۔

”آپ کو شعر سمجھ آگیا یہ بہت بڑی بات ہے۔۔۔ ورنہ خان کو دوسرے کی بات
 مشکل سے سمجھ آتی ہے وہ 2006ء کی کار خریدتے ہوئے بہت سوچتا ہے مگر
 1974ء تا 1976ء نور خان خریدتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ 1974-1976ء کے بعد
 مصبوطہ ذی کی گاڑی منہائی بد ہوگئی ہے۔“ افسر علی نے اپنی بات چھوٹے سے قہقہے پر
 تمام کی۔

یہ ہندوستانی ٹوٹ بس ایسے ہی پٹھان کا مذاق بناتا ہے پٹھان کسی سے کم
 نہیں ہے۔۔۔ اس ملک میں سب سے اچھا حکومت ایوب خان نے کیا۔۔۔ اس کے
 رہنے میں غریب کو بہت سکون تھا جیسوٹن پٹھان تھا جنرل ایوب خان۔“ نور خان
 نے غر سے سینٹاں کر کہا۔

”جیسوٹن پٹھان“ سن کر افسر علی نے اختیار نفس دیا۔

”یہ پٹھان، وٹسر بھی ہوتا ہے نور خان۔“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔

لوگ جیسے پٹھان سے مذاق کرتا ہے لیکن اپنے نام کے ساتھ خان لگا کر فخر محسوس
 کرتے۔ خان کا سر زمین کبھی خواب میں نہیں دیکھا ہوتا مگر لوگوں پر زعب ڈالنے

کے لئے دو دفعہ مکی حاکم کا بیٹا ہے۔ اصلی نام سے پہلے اور نام سے آخر میں خان
 دولت علی خان خان فضل حسین خان۔“ نور خان بڑے فخر اور اعتاد سے بول رہا تھا۔
 افسر علی کو بے ساختہ غصی آگئی۔

”یار۔۔۔ اتھاری تو بڑی مانج ہے تم تو پڑھ لکھ کر کہیں D.C. لگ سکتے تھے۔“
 افسر علی نے سامنے گیٹ سے باہر آتے ہوئے ایک ٹولے پر نظر دوڑا کر مذاقاً کہا۔ نور
 خان نے تو اس کا موڈ ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔

”بس صاحب! امارا قسمت خراب تھا ورنہ کچھ بھی بن سکتا تھا۔“ دماغ امارا
 بہت چھاپے ایک بار میں راستہ یاد ہو جاتا ہے، دھرمینی بی بی کو لینے جب مرضی
 بولوا سکتا ہے۔“

”دھرمینی بی بی ایک راستے پر بار بار کب ملتا ہے۔۔۔ اس کے تو ان گنت راستے
 ہیں یہ اچھی بات ہے کہ تمہیں ایک مرتبہ میں راستہ یاد ہو جاتا ہے ورنہ تو ہر وقت
 تمہاری نوکری خطرے میں تھی۔“ وہ طنزیہ انداز میں مسکرا کر پھر گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔
 ”صاحب! پھر ٹیل ماروں بی بی کے موبائل پر۔“ نور خان نے جیب
 سے موبائل نکالتے ہوئے گویا اجازت لی۔

”ہاں! لڑائی کرو گھر سے نکلتے ہوئے تو بتا دیا تھا ناں۔“ افسر علی پر
 غصے سے ہزاروں طاری ہونے لگی۔

”جی صاحب! بیگم صاحبہ تاکید کر کے گیا تھا بولا تھا ٹھیک یہ رہے بجے پہنچ
 جانا۔“

”گیا رہ تو کب کے بج چکے مس کاں دو۔“ افسر علی نے قدرے آف موڈ میں
 کہا۔

اسے اپنے پیپر کی تیاری بھی کرنا تھی۔ بیٹھے بیٹھے خینڈ بھی تا شروع ہوگئی تھی۔ دبا کر
 جھائیاں آنے لگیں۔ جھائیاں لے لے کر جھڑاؤ کہنے لگا۔ نور خان نے مس کاں دے کر

میں نے صبر کیا۔

میں نے صبر کیا۔
 اس دن سے صبح سویرے تو ہوا کہ فری میں سو بائل میں کیا ہو
 وہاں ہوتی تھی۔ "نور خان" بھر ہوا تھا۔ چہرے پر پچھلے طرح سے راحت کی روشنی
 تھی۔
 "اچھا سہولت کے لئے خرچہ کیا ہے کوئی انعام نہیں دیا۔" افسر علی نے پھر پھر
 پوچھا۔
 "بھئی اہل تو گمیاں ...؟ ام خوش ہے ... راضی ہے۔" وہ گمن سے انداز
 میں تھا۔
 "بڑی بات ہے ورنہ تو ہر طرف بندہ کسی ٹینشن میں ہی نظر آتا ہے۔" افسر علی نے
 بات پر رائے بات کی۔ مقصد کوئی نہیں تھا۔
 اسی دن سے اسے کسی آئی آہالی کی۔ وہ پچھلے دنوں کے ساتھ تھکتا کاتی چند
 منٹ میں گیت پڑھتا۔ مڑے مڑے ہوئے میں پچھلے دنوں کی یادیں کا تلاش کی۔
 لہذا تو نور خان فوراً ہی نظر آ گیا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف آئی۔
 "ایک مرتبہ بتا تو دیا تھا کہ گھر سے نکل رہے ہو۔ بار بار بتل دینے کی کیا
 ضرورت تھی ...؟" وہ آتے ہی برہمی سے بولی۔
 ابھی تک اس کی توجہ افسر علی کی طرف نہیں گئی تھی۔
 "بہت آہستہ سے بولی ہوئی تھی نہیں؟" "دور سے آتے ہیں کر سکتے؟" یہاں سے
 چاہیے تھا۔ "نہی مانا ہے۔" اور وہ سے کام پڑے سوئے میں وہاں تھہرے۔
 میں ...؟ "وہ جمل بھن کر کہہ رہی تھی۔
 وہاں سے چھٹا ڈار کھل آیا تھا۔ وہ بولتے بولتے جینٹلی تھی۔
 وہاں سے وہ ہند کیا اور خود جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔
 یہ تو بالکل آسان ایڈریس تھا۔ مگر شاید

یہ بھی تھا کہ اس کی بات نہیں تھی۔ سب میں کی نظر افسر علی پر پڑی تھی۔ لفظ "تھوڑے
 سے افسر علی کے لئے ہی استعمال کیا تھا۔
 "پتھم صاحبہ بولا تھا۔ ام جو نہیں لایا۔" نور خان گھبرا کر بولا
 احساسِ دلت سے افسر علی کے چہرے پر سیاہی اترنے لگی۔ مگر ضبطِ عادتِ عانیہ
 غمیری۔ وہ خاموشی سے ہر دیکھے لگا۔
 سے۔ سی کی ٹھنڈک، بھرا پیٹ، آرام دہ سیٹ میں کسی کی آنکھوں میں نشہ اترنے لگا۔
 بے غمیری اور بھرا پیٹ یہ بھی تو ایک نشہ ہے۔ یہ الگ بات کہ جب یہ نشہ اترتا ہے تو زوج
 پر دو گھنٹہ چھوڑ جاتا ہے جس کی اذیت سے نجات پانے کی ابھی تک کوئی دوا ایجاد نہیں
 ہوئی۔
 افسر علی نے دیکھی آگ میں سلگ رہا تھا۔
 نور خان جون لڑکی کی قربت کے احساس سے خواہ مخواہ مسرور ہوا جاتا تھا۔
 حیوانیت کی تمام کراہتیں مٹی کی خوبصورت صراحی کے اندر پوشیدہ تھیں۔ اتنی
 خوبصورت صراحی کہ ہر صورت چھوٹے کوئی چاہے۔
 نور خان بیک مرر میں اوجھتی جھومتی مٹی کو بہت احتیاط سے دیکھ رہا تھا۔
 • • •
 "ارے ٹوٹو! تم؟" مٹی لان میں کھڑی مٹی کھلتے پھولوں کا جائزہ لیتے
 ہوئے چلائی اور گیٹ سے اندر آئی اپنی عزیز دوست کی طرف دوڑی اور گلے لگا کر پیار
 کیا۔
 "سب آئی۔ ا۔ ک۔ سے؟" وہ خوشی سے جیسے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔
 "کل شام ...؟" ٹوٹو نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر جواب دیا۔
 "تو فون کیوں نہیں کیا؟ بد تمیز! میں تمہارے انتظار میں دن گن رہی
 تھی بہت مس کیا ہے میں نے تمہیں۔" وہ پیار بھرے انداز میں شکوہ کرتی اسے اندر

یہ سب باتیں سن کر وہ بے حد غصہ ہو گیا۔
وہ سوچا کہ میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟

وہ سوچا کہ میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟
میں نے اس کو کیا کیا ہے؟

ایک سے سگریٹ اور لائٹ

"عادی ہو گئی ہوں"

"ہمکے حاصل ہوتا ہے تو عادی ہوئی ہوں اور ہاں"

کھل ہوویر لائی ہوں۔ کمرہ لک کر دیکھ

”اتنی چھوٹی سی زندگی اتنی احتیاط اتنے خوف اتنے غم کس قدر فضول باتیں ہیں یہ۔۔۔ ان سے ملنا ہی کیسے؟ خود پر ظلم کرو خود ہی دکھی مظلوم بن کر بیٹھ جاؤ اس انتظار میں کہ لوگ آئیں گے ترس کھائیں گے آنسو پونچھیں گے یار اکس کے پاس ہے اتنا فالو وقت اپنی طرف دیکھو اپنا سوچو۔“

”گھٹ گھٹ کر کیسے جی لیتے ہیں؟“ ٹوٹو نے جی بھر کر سگریٹ کاڑھواں فضا میں چھوڑا۔

”بہن تو اتنے قیمتی خیالات سن کر گویا عقیدت سے دوہری ہوئی جاتی تھی۔ اس کے دے ہوئے جذبات کو ٹوٹو کتنے خوبصورت الفاظ میں بیان کر رہی تھی۔“

”تو تمہارے یہ ٹرپ ہر لحاظ سے شاندار رہا؟“ ”بہن نے موضوع بدلا۔

”یہ ازیر دست دو بہت جچھے دوست ہاتھ لگے ایک مائیکل جو (Jew) ہے اور ایک ”نان“ یعنی لبنانی ہے۔۔۔ بیروت اجڑا تو ماں باپ رشتے داروں

سے ہاتھ دھو بیٹا اب ہر گھم میں اپنے امان کے ساتھ رہتا ہے اتنا کیونٹ اتنا زندگی ہے کہ ہر وقت دیکھنے کو دس چاہے میں نے ہوٹل میں دوں اس کے ساتھ گزارے مگر اسی تک نہ چڑھا ہوا ہے۔“ ٹوٹو نے بڑی ادا سے آنکھ پا کر کہا۔

”ہو ہوٹل میں؟“ ایک روم میں؟“ ”بہن نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

”سوڈا ہٹ دوستی ہے تو پھر دوستی ہی دوستی ہے۔“ ٹوٹو نے لا پرواہی سے سگریٹ کی راکھ جھاڑی۔

”شادی کرے گا وہ تم سے؟“ ”بہن نے اشتیاق سے پوچھا۔

”مائی گاڈ! ایسا بیٹرن کلچر شادی کے علاوہ ادھر کوئی سوچ ہی نہیں ہوتی سٹیوڈ! شادی تو باؤنڈنگ ہوتی ہے۔ گوہل شادی۔“ ٹوٹو کو غصہ آ گیا۔

”تو کیا تم بھی شادی نہیں کرو گی؟ کوئی اگر ایسا ملا کہ جی چاہا کہ اسے ہمیشہ کے لئے اپنا لوتب؟“ ”بہن بڑے سادہ انداز میں پوچھنے لگی۔

”مائی گاڈ! اچھا لگنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے اسے کچھ کر دو بقضہ جہ لو اس پر ٹانسس اپنا اپنا جیون جیو میری جان!“ ٹوٹو نے مسکرا کر

بہن کے چہرے پر ڈھواں چھوڑا اور زور سے قہقہہ لگایا۔

”مائی گاڈ! پورا یورپ اوڑھ پھنک گیا ہے تم پاکستان میں کیسے سیشن ہو گی؟“ ”بہن کو تشویش ہوئی۔

”ہم یہاں سیشنل ہونا ہی کب چاہتے ہیں؟ یہاں تو لوگ مرنے کے لئے جیتے

ہیں ایک دوسرے کو اتنا ڈسٹرب کرتے ہیں کہ موت کے منہ میں پہنچا دیتے ہیں

پھر زندگی کی تلاش میں یورپ کے اسپتالوں میں جا کر لیٹ جاتے ہیں۔“ ٹوٹو نے اپنی

بات کے ختام پر بڑا زبردست قہقہہ لگایا۔

”زندگی ملتی ہے میری جان! یورپ میں زندگی پینے، ہاں جاتے ہیں۔“

وہ کھلی میچور جسٹس ہے ٹوٹو کی۔۔۔ کچھ بھی تو غلط نہیں کیا اس نے۔۔۔ میں ملتا ہوں کہ
سچی رہی تھی۔۔۔ بڑی ساری نظروں سے ٹوٹو کی طرف دیکھ رہی تھی

"جیسے ہوئے ڈرے ہوئے لوگوں کی سوسائٹی۔۔۔ وہاں میں اندھیرا۔۔۔ ہمارے
گندے در کچر، کچھے میں پاؤں، ہر طرف سرخس کا بار بار گرم۔۔۔ میں تو خود سوچتی ہوں
کہ یہ گریں پا ہوتے تو ہمیں اس پرٹ پرٹ ڈکڑاں پنجر شو کرتا ہے۔۔۔ پورے دروازے
رہی ہوں۔۔۔ میں کل جاؤں گی اس ملک سے۔۔۔ یہی ہے وہ کام کا اظہار کیا۔

"میری تو بات بن گئی۔۔۔ جھینک گاؤں۔۔۔ اس میں میرے لئے کوشش کر رہا ہے
میں یہاں سے چلی گئی تو تمہیں بلاؤں گی۔۔۔ تو پر اہم۔۔۔ ڈیڈ کہتے ہیں میرے تباہ
ہے۔۔۔ میں سے کیسے چھوڑ کر جاؤں۔۔۔ میں تو یہاں Earned کرتا ہوں کہ ڈر اور
پونڈ میں مجھے کچھ نہیں ملے گا۔۔۔ میں سیٹ ہوں۔۔۔ ظاہر ہے اس صورت میں تو مجھے خود
ہی لڑائی کرنا ہوگی۔۔۔ ٹوٹو نے دوسری سگریٹ نکال کر اس کا یوں جا رہا جیسے اس میں
کسی حادثہ کا شکار ہو۔

"بہت جھگی بڑھکتی ہے۔۔۔ یہی نے نہیں کہا۔
"گھٹ ہے یا۔۔۔ احسان کا۔۔۔ ٹوٹو نے ایک کلمہ دبا کر کہا۔ پھر دونوں منے

تھیں۔

♦ ♦ ♦

"ڈالہن۔۔۔! غیر پھر غیر ہوتا ہے۔۔۔ لوگ کیا بن کر رہتے ہیں، کیا نکلتے ہیں
کیا بڑا کی ہے، افسر علی میں۔۔۔؟ شکل و صورت سے برا ہے۔۔۔ کوئی سسٹنہ نہیں
ہے۔۔۔؟ پڑھا ہوا نہیں ہے۔۔۔؟ پھر جو خون ارباب علی کی نگاہوں میں ڈر رہا ہے وہی
کہ۔۔۔ کہوں میں۔۔۔ یہ کیا وہاں کل براہی بات ہے۔۔۔ عطیہ بیگم نے بہت کمال
۔۔۔ بہت۔۔۔ پ۔۔۔ اسے اپنے شو۔۔۔ علی کے گھر سے نکلی تھیں۔

۔۔۔ تھی میں اس آپ۔۔۔ افسر علی کی بدنامی ہے۔۔۔؟ فیڈلس تو برا

میں کا ڈر نہیں کر سکتا۔۔۔ چار بندوں سے بچ میں کھڑا ہو چکا تو چہرہ فق ہو چکا
ہے۔۔۔ ارباب علی کی تو کوئی بات رہے ہوں تو انہیں اس کی کاپ رہی ہوتی تھی
میری بی بی کے لئے بھی رہ گیا ہے حکیم منی۔۔۔" قاخرہ خانم جیسے پھٹ پڑیں۔ اس کی سمجھ میں
نہی آیا کہ اس سے صاف صاف بات کریں اور ہمیشہ کے لئے یہ چھوڑ کر رہ دیں۔
عطیہ بیگم اتنی بد لحاظی پر چند لمحے کے لئے تو سناٹے ہی میں رہ گئیں پھر جیسے ایک دم

جذبہ میں آ گئیں۔
"مگر وہ حکیم منی ہے تو تمہارا میاں حکیم خاکسیر ہوا۔۔۔ کیوں پھنس گئیں تم حکیموں
کے خاندان میں؟ انکار کر دیتیں۔۔۔ ہم تمہیں سمجھ کر تو نہیں لائے تھے دیواریں
اپنی بی بی کی طرف دیکھو۔۔۔ کوئی خوبی نہیں ہے اس میں۔۔۔ کھانے اور سونے
کے علاوہ اسے اور کوئی کام نہیں۔۔۔" وہ بری طرح برس پڑیں اور ہر قسم کی مصلحت یاد اسے
حالی رکھ دی۔

"بچہ نہیں کیسی دادی ہیں اہل آپ۔۔۔ پوتی کے کھانے پینے کو ٹوکتی ہیں
دادیاں تو اپنے ہاتھوں سے جانے کیا کیا بنا کر پوتے پوتیوں کو کھلاتی ہیں۔۔۔ آپ ہی کی
نظر لگے گی اسے۔۔۔" قاخرہ خانم نے بات کا رخ دوسری جانب کر دیا۔ نہایت ہی تند و تلخ
لہجہ تھا۔

"اے ہے۔۔۔ اتو تم نوبت تو آنے دیتیں کہ پوتی کو اپنے ہاتھ سے کچھ بنا کر
کھلاتی۔۔۔ ہر وقت تو تمہارا خانسا مال کی خدمت کر رہا ہوتا ہے۔۔۔ ہماری تو کہیں جگہ
ہی نہیں بن پارہی۔۔۔" عطیہ بیگم نے جھلا کر جواب دیا۔ وہ دونوں بات کرنے کا تہیہ کر کے
آئی تھیں اور سو بیگم تھیں کہ انہیں گھمائے جا رہی تھیں۔

"دیکھو ڈالہن۔۔۔! ہم نے بھی یہ چونڈا ڈھوپ میں سفید نہیں کیا۔۔۔ تمہاری بی بی
ہے تو ہماری بھی پوتی ہے۔۔۔ ہمارا خون ہے۔۔۔ اس کے جورنگ ڈھنگ ہیں وہ بتاتے
ہیں کہ وہ کسی مرد کے قابو میں نہیں آ سکتی۔ اس کا مزاج بگڑ چکا ہے۔ اس کو وہی مرد

سجھان سکتا ہے جس میں مرد وسط ہو گا ظاہر مردت ہو اسے اس مرد ذات ہم
 ۱۰۰ در داغ گھوڑے تو حسین سے حسین عورت کو ٹھکرا دیتا ہے ۱۰۱ رکی ہٹی میں تو
 کون گس بی نہیں کہ کسی ۱۰۲ سے سوچ کر مرد سے کام لے لے افسر علی گھر داچہ
 ہے مشکل وقت دیکھا ہے طبیعت میں مرد برداشت بھی بہت ہے بچہ
 ۱۰۳ بھی داتا ہے باہر بے گاس اس شتر بے مہار کو۔ "عطیہ بیگم سمجھ سے کی کوشش
 کرتے ہوئے بڑے قفل سے کہہ رہی تھیں۔

"پہلے کلاس کے مرد کو سامنے رکھ کر خوفزدہ ہو رہی ہیں جو بیوی کو رزق
 دینی کھتا ہے ورنہ سے ہر طرح کی خدمت لیتا ہے میں بدل کلاس لڑکے کو بیٹی
 دے ہی کب رہی ہوں؟ یہاں جائے گی جوں کنگ، پٹر ڈرائیور ہوتے ہیں
 فلاح سے میں ڈرنا ہیچ ہوتے ہیں کپڑے، مٹری میں ڈھلتے ہیں کریڈٹ کارڈ
 پر شاہک ہوتی ہے نہ شوہر بیوی سے سزاوارتاں لیں دواتا ہے نہ فرمائش کر کے
 کھانے پکواتا ہے بچے گورنس سنبھالتی ہے آپر کلاس مرد بیوی کو ہر طرح سے
 ۱۰۴ میں رکھتا ہے میری کیا محوری ہے جو میں بدل کلاس لڑکے کے ہاتھ میں پتی بیٹی کا
 ہاتھ دوں۔" قاخرہ خام تیریاں چڑھا کر بول رہی تھیں در عطیہ بیگم حق دق ان کی
 صورت تک رہی تھیں۔

اس وقت تو قاخرہ خانم نے واقعی انہیں لا جواب کر کے رکھ دیا تھا۔

"ہاں آپ کلاس کا مرد بیوی کو بعض اوقات بہت ہی ایڑی کر دیتا ہے
 بہت سے شوق پالیتا ہے بیوی کا حق کہیں اور لٹا کر آتا ہے تاکہ اس کی بیوی بہت
 تر سے رہے اور ابھی ڈسٹ ب نہ ہو۔" مالآخر عطیہ بیگم جل کر بولیں۔

"پانچوں اگلیوں برابر ہیں ہوتیں اماں ابھی کبھی چھ بھی سوچ یا کریں۔"
 قاخرہ خام سے مشکل ایک غضب کی تندہ تیز ہوا پر جواب دیا۔

"پتے چنے بھی اللہ نے سب کچھ دیا ہے اس کو تو کوئی غلط شوق نہیں

ہیں مار بھی پڑھتا ہے رور سے بھی رکھتا ہے۔" اپنے حساب سے قاخرہ خانم نے
 پھر سب کو لا جواب کرنے کی کوشش کی۔
 "شکر ہے مالک کا جتنا اس کا احسان، لوں کم ہے ہدایت اللہ کی طرف سے
 لیکن اپنے بچوں کی تربیت میں بہت محنت کی ہے میں نے۔" عطیہ بیگم نے بڑے فخر اور
 اعتماد سے کہا۔

"اور یہ مال کا کام ہوتا ہے بچے تو گندھی مٹی کی طرح ہاتھ میں آتے ہیں
 جیسے مرضی ڈھال لو۔" عطیہ بیگم کے لہجے میں ایک طنز چھپ ہوا تھا۔
 "تو ہم کون سا اپنے بچوں کو غلط باتیں سکھاتے ہیں؟ ہر زمانے کے اپنے
 فلاحی ہوتے ہیں انہی کے مطابق چن پڑتا ہے اب بوڑھے لوگ ان کی
 ایکٹو میز پر اعتراض کریں تو یہ کوئی عقل کی بات نہیں بچے وقت کے حساب سے نہیں
 چیں گے تو زندگی کیسے گزاریں گے؟" قاخرہ خانم برہمی سے کہہ رہی تھیں۔

ماس کا طنز ٹھیک نشانے پر جا کر بیٹھا تھا۔ یہی تو ان کا ویک پوائنٹ تھا۔
 "وقت کے حساب سے چلنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر انسان اپنے اور اپنے
 خاندان کی عزت کا خیال کرتا ہے۔ نیک نامی میں اضافہ کرتا ہے۔ پیٹ بھر روٹی
 ملنے کے بعد دوسری اہم شے عزت ہے۔ عزت نہیں تو ساری شان و شوکت بیکار
 ہے۔" عطیہ بیگم نے بڑے نرم اور شائستہ لہجے میں بہو کے دماغ میں کام کی بات بٹھانے
 کی کوشش کی۔

"آپ کو کیا پتہ کالے برقعے کی آڑ میں کیا کچھ ہوتا ہے؟ ہم لوگ جو ہیں جیسے
 ہیں سب کو ویسے ہی نظر تو آتے ہیں کسی کو منہ لٹے میں تو نہیں ڈالتے۔" قاخرہ خانم جھٹ
 کر بولیں۔

"تو یہ متفرد پانچوں اگلیوں برابر نہیں ہوتی دھن، ہم تمام باپردہ
 عورتوں کو یک لکھی سے مالکے کا کوئی حق نہیں رکھتے حیا شرم کا تعلق صرف برقعے

سے تو نہیں ہے لباس پورا ہوا مگر کازینت کا پردہ ہو جس بہت ہے۔ "میں نے یہ
پورا بیت سے کہا۔

"مگر میں پہلی کو آپ کے خیالات کے مطابق احوال دوں تو اس گھر میں اسے کوئی
پہچانے گی میں نے گا۔ اچھے شے کی تو کوئی امید ہی نہ رکھیں۔ وقت کی پارہ
دیکھ کر میں اماں... " کاغذہ خانم کی برداشت جواب دے رہی تھی۔

میں نے یہی راستہ لے اگلے مرحلے کے نتائج کا اندازہ کر لیا اور یہ کہتی ہوئی اٹھ

اٹھ کر...

"ارے...! مجھے تو شاداب کو فون کرنا تھا۔ باتوں میں ذہن سے ہی نکل گیا۔

ماس کی بیٹہ ہوئی تو فاخرہ خانم نے کہا جانے والی نظروں سے ان کی پشت کی
عرف گھرا تھا۔

♦ ♦ ♦

اور حال آج بہت س غمناک رہا تھا۔ بیکر صاحب کو ٹرس ٹرس ڈر پ کر کے
"گیا تھا۔ چار گھنٹے بعد ہیے عانا تھا۔ گھر میں صاحب بھی نہیں تھے۔ افسر علی بھی صبح
... چلا گیا تھا۔ عذر کسی بی بی شاید ہی سوتی تھی اور عذر میں بھی غالباً ڈنچ میں
اسیٹ چاکر کر رہے ہوئے تھے۔

شام کے پانچ بج چکے تھے۔ ورہا کوں میں سوے کی عادت نہیں تھی، اس نے
فرصت کو خوب انجوائے کر رہا تھا۔ نہادھو کر سفید قمیص شلوار زیب تن کیا کہ رنگی کے
تنت نہ رہا۔ پہنچ کر کے گا ہاں میں اچھے فائیر شوٹ اور نیل کمار ماں اچھی طرح
بجائے آنکھوں میں سرے کی ڈوریوں کھینچیں۔ بے حساب سے بڑی بردست تیار
ہوئی تھی اس پر محراب خش کا منظر بھی لگا تھا۔

تموڑی سی چہل قدمی کرنے کے بعد کار میں پشتو کے مقبول رومانائی گیت کی کیسٹ
... کی کیسٹ پر "ایٹ گیا" کی "ف کا درہ رہ کھ چھوڑ پ... س

وقت سداں صدی ہونے لگے "ع بوجھتے تھے
"بھیس بندر کے گیت کے بون پسر جس رہا کہ کھت کی آواز سے دریا و

میں نے نیپ بند ہوئے اور پھر دریا بند ہوئے کی آواز آئی۔ دو شہزادہ اتر آئے یہاں دیکھ
تو اس سے بڑی ہوئی تھی۔

گھر کی سیوریس چھوٹی سی شرت، انگوں سے اوچی ٹرا اور جس کے پانچوں میں
ایک بیٹا باشت کے چاک بھی کھلے ہوئے تھے اور تیس چٹنی پنڈیاں جھاٹ رہی تھیں۔

"اپنے کا تو سول ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ گھر سے گلے سے حشر اٹھ رہا تھا۔
دو جھدی سے کار سے باہر نر آیا اور منود پاراندہ میں سرو قد کھڑا ہو گیا۔

دو دو "اپنی بیٹی بیڑا سمیل آ رہی ہے تمہارے پاس سے بندہ کار میں اسے
چلا کر جو بھی تمہارے ساتھ بیٹھے گا چکر "نے لگیں گے، سے کوئی زیادہ ہی ویک ہو تو

تھوڑی دیر میں بیٹوش ہاجائے گا "ٹانسس۔ "بچن ٹاک پر ہاتھ رکھے نہایت تاؤوری
کا اٹھ کر رہی تھی۔

یورخاب تو مششدر سا رہ گیا تھا۔ اتنی دیر کی محنت ایک لمحے میں خاک میں مل گئی
تھی۔ بلکہ وہ تو شدید بے عرق محسوس کر رہا تھا اور بڑی بے بسی سے پیوہ صاف کر رہا

تھا۔
حد سے گئے جا کر ہاتھ لو کپڑے بدلو اپنے سر کو چھٹی طرح شپہ کر و اور
حواہ تم نے گائی ہے سب اٹھ کر راست بن میں پھینکو "تکدہ تمہارے یہاں سے یہ
بیڈا میل نہیں آنا چاہئے اپنے یہاں نہ شوق اپنے گاؤں میں جو بڑے رہا

کھجے "بڑی بیڑا کی سے کہہ رہی تھی۔ ہاتھ اٹھ کر تک ٹاک پر دھر رہا تھا۔
"جی "وہ بھرم کے سے "میں نظر میں جو کھڑے "کی ق سے رہا
"کی "تختے بے بیٹے جاگے "کوہ اور بیٹے ہوئے "ان طرح آتے ہو
میں پوچھ رہی تھی۔

”جی...! آٹھ بیجے پک کرنا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”وہ...! ابھی تو تمہارے پاس بہت ٹائم ہے... پہلے مجھے آٹا (Agha's) جاتا ہے۔ وہاں مجھے ایک گھنٹہ لگے گا۔ پھر تم مجھے آدھی ڈراپ کر کے مٹی کو پکیرنا۔ اب جلدی سے جاؤ۔ خدا کے لئے اپنا حلیہ اس لوں والا بناؤ۔“ وہ پلٹے ہوئے بولی۔ نورخان نے سکوں کا سانس لیا۔

”توبہ! جلد! وحشی! جا مل لوگ دیکھ کر بھی کچھ نہیں سمجھتے۔“ وہ بولا لی ہوئی جارہی تھی۔

احساس تو بین سے نورخان کے دماغ میں آندھیاں اٹھ رہی تھیں۔ اس نے جاتی ہوئی بھی پر ایک نظر ڈالی جو جگ قیصر میں قیامت کی چاب چل رہی تھی۔ اس وقت اس کی حیثیت نورخان کی نظر میں ایسی تھی گویا شیشے کی بوتل میں رنگین مشروب۔ کہاں تک شیشہ کہاں تک مشروب۔ فارموسہ ایکسوشن کی شکل میں نکھرا ہوا تھا۔ حیونیت اس مقام پر آگئی تھی جہاں ضابطے دھوئیں میں مٹ جاتے ہیں بے باکی رائج کرتی ہے۔

◆◆◆

ایک گھنٹے کے بعد نورخان بالکل ریڈی پورج میں آچکا تھا۔ درجہ چلتی ہوئی کار پر خونخوہ کپڑے پھیر رہا تھا۔ اسے یمنی کا انتظار تھا جسے پہلے شاپنگ کرنا تھی پھر آداری جاتا تھا۔

پانچ منٹ کے انتظار کے بعد بھی پورج کی طرف آتی دکھائی دی۔ اس نے جیرو اور فی ٹرٹ پہنی ہوئی تھی۔ بال کھٹے ہوئے تھے۔ چھوٹا سا بیگ شانے پر لٹکایا ہوا تھا۔ اس کی نوکیلے لمبی ہیل دیکھ کر نورخان کو یہی ٹیمپس رہتا تھا کہ اب گری کہ تب گری۔ دل میں بڑا ارمان جاگتا تھا کسی روز اس ہیل کی وجہ سے وہ ماربل پر گرنے لگے اور وہ آگے بڑھ کر اس کو دونوں ہاتھوں سے سنبھالے۔ قریب آ کر اس نے ناقدانہ نظروں سے نورخان کا جائزہ لیا۔

”میں بھی آٹھ بیجے پک کرنا ہے۔“ غائب ابھی تمہارے پاؤں میں تیل کا اثر نورخان کی طرف بڑھا۔ ”یہ کہہ کر اس نے اپنا بیگ کھولا اور ایک چھوٹا سا پاؤں اس پر سے نکال کر ”یہ لو۔“ اڈیڈی کا ہے۔ ان کو تو آٹے دن اس طرح کے گفٹ ملتے رہتے ہیں۔ یہ اپنے ہانڈوں اور گردن پر لگا لو۔ میں تو بندکار میں بیٹا اسمل بالکل برداشت نہیں کر سکتی۔“

نورخان نے جلدی سے اس کے ہاتھ سے لے کر پہلے اس کے لئے چھپلا ڈور کھولا۔ وہ بیٹھ گئی تو ڈور بند کیا۔ پھر اس کی ہدایت کے مطابق اس پر سے کیا اور ڈرائنگ سیٹ پر آگیا۔ پاؤں اس پر سے کی مسوکر کن مہک کار کے ماحول میں پھیل گئی۔ ”گاڑی میں اس پر سے کر دیا تھا؟“ ”یہ بیگ سے اپنا موبائل نکال لیتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔“

”وہ تو جب موٹر ریڈی کرنا ہوں تو ضرور کرتا ہوں۔ آپ کو خشبو (خشبو) نہیں آ رہی بی بی؟“ ”وہ اسے مرد میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔“ ”کوئی خاص نہیں ٹھیک سے کیا کرو۔ تمہاری جیب سے خرچہ نہیں ہوتا۔“ وہ

بڑے مغرور اور لٹھ مار انداز میں بولی تھی۔

چوکیدار گیٹ کھولے انتظار کھڑا تھا۔ نورخان نے زن سے کار باہر نکالی۔ ”ہونہ! خشبو بدبو! مرد مرد ہوتا ہے عورت کی خشبو کو ذرا سی دیر میں بدبو میں بدل سکتا ہے۔ بہت آکڑ ہے چھو کری میں باپ کا مال اور اللہ کی بنائی صورت اس کا اپنا کیا ہے ہونہ! خشبو بدبو۔“ نورخان چیخ و تاب کھا رہا تھا۔

◆◆◆

”یار! بڑی آفت لگ رہی ہو آج تو۔“ میٹنی آداری کے ریٹورنٹ میں ٹوٹو

سے گلے ملتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

ٹوٹو منی اسکرٹ پہنے ہوئے تھی۔ بلاؤز کا گلا گھرا تھا۔ شولڈر پر آدھے آدھے کی پیڑیاں تھیں جس میں وہ منی کو آفت دکھائی دے رہی تھی۔

”تم منی اسکرٹ پہن لیتی ہو یہاں.....؟ میں نے آج تک نہیں پہنی۔
بھئی ”اوگ“ تمہیں پھاڑ کر ناگوں کو دیکھنے لگیں گے تمہیں نہیں دیکھتے۔
”منی نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

”گوہیل..... میں پرواہ ہی کب کرتی ہوں.....؟“ ٹوٹو نے شانے اچکا کر بے نیازی سے جواب دیا۔
”ابھی تک نہیں“ یہ تمہارا مصطفیٰ حجازی؟“ منی نے اب ایک دم اپنی ریٹ وائچ پر نظر ڈالی۔

”اوپر اپنے روم میں تیار ہو رہا ہے رات بھر پیتا ہے۔ شام کو اس کی صبح ہوتی ہے۔“ ٹوٹو ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”کوئی کام نہیں کرتا.....؟“ منی نے حیرت سے پوچھا۔
”محبت بھی بہت بڑا کام ہے مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔“ ٹوٹو پھر کھلکھلا کر ہنسی۔

”شادی کرو گی اس سے.....؟“ منی نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔
”مائی گاڈ! منی! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کنزرویٹو کیوں کی طرح ہر وقت شادی تمہارے سر پر سوار رہتی ہے..... تم کیوں آزادی کو انجوائے کرنا نہیں چاہتیں.....؟ شادی ہوتی ہے..... پھر بچے ہوتے ہیں ان کو لگ آفر کرنا اسکول بھیجنا پیرنس میننگ آئینڈ کرنا یونیٹی اسٹورز میں بچن کی شاپنگ کرنا..... اتنی باؤنڈ لائف میں تو برداشت نہیں کر سکتی۔“ ٹوٹو نے سخت بیزارگی کا اظہار کرتے ہوئے جھرجھری سی لی۔

”ہاں یار! یہ تو ہے مگر ہم جس پتھر میں موو کرتے ہیں اس میں تو شادی بہت ضروری سمجھی جاتی ہے۔“ منی نے درراؤ اس اور مایوس سے لہجے میں جواب دیا۔
”اس پتھر کو بدلنا چاہئے جس کو اچھا لگے اپنا ہے دوسروں پر اپنی مرضی نہ

تھوپے۔“ ٹوٹو نے شانے بے نیازی سے شانے اچکا کر رہے گا؟ تمہیں کہنی دے
”کیا تمہیں یقین ہے کہ مصطفیٰ ہمیشہ تم سے محبت کرتا رہے گا؟“ منی جیسے کسی خواب کے
”جب تمہیں ضرورت ہوگی تمہارے پاس ہوگا۔“ منی کیوں ہمیشہ کے لئے اسے باؤنڈ

عس سے گزرتے ہوئے دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔
”ہمیشہ کا ٹھیکہ تو پیرش نہیں لیتے میں کیوں ہمیشہ کے لئے اسے باؤنڈ
”؟“ ٹوٹو نے فضا میں ڈھواں بکھیرتے ہوئے لا پرواہی سے جواب دیا۔
”جب تک ہم ایک دوسرے کی کہنی کو انجوائے کریں گے تب تک تو ساتھ رہیں

گے۔“ وہ یہ کہہ کر بڑے اسٹائل سے کش لگانے لگی۔
”مگر محبت کا احساس تو ہمیشہ کے لئے چاہئے ہوتا ہے۔“ منی ڈبے ڈبے لہجے میں

پنا خیال بتانے لگی۔
”Nothing for always“ ہمیں آج میں جینا ہوتا ہے کل کی

کس کے پاس گارنٹی ہے؟ آج آپ زندہ ہو آج آپ کے پاس سب کچھ اپنی
مرضی کا ہونا چاہئے انیڈیش آل۔“ ٹوٹو نے کش لگاتے ہوئے کہا۔
”تم یہاں اسموکنگ کر رہی ہو ابھی ویٹر آکر اٹھا دے گا تمہیں! یہ برنس

روڈ کا چاٹ ہاؤس نہیں ہے آداری ہے۔“
”اس کا باپ بھی نہیں اٹھا سکتا اس وقت میں جس کی گیٹ ہوں اس کے
باپ کے ایسے چار ہوٹل ہیں ہونہہ!“ ٹوٹو نے تسخرانہ انداز میں مسکرا کر جواب
دیا اور گلاس سرکا کر اپنے سامنے کر لیا۔
اس لمحے ایک لمبا تڑنگا نوجوان جس کے چہرے پر اتنی سرخی تھی جیسے خون ٹپک رہا

ہو، ان کی نہیں تک آیا۔

”ہیو ٹو ٹو“

ٹو ٹو پھڑک کر کھڑی ہو گئی اور نو جوان کی کمر میں ہاتھ ڈال کر دوش کیا۔

”یہ یعنی ہے میری بہترین دوست اور بچل پاکستانی۔ سبھی سبھی کا شس ہر وقت اس کو زمانے کا ٹینشن رہتا ہے اس کا علاج و دواج ہو سکتا ہے کہیں؟“ ٹو ٹو نے اپنے حساب سے زبردست سٹنس آف ہو کر کا مظاہرہ کیا تھا اور خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔

”ہم یہاں کس لئے آئے ہیں؟ ایسے ہی مریضوں کا علاج کرنے کے لئے۔“ مصطفیٰ نے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بہت دلچسپی سے یمنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ویسے ہی بکو اس کر رہی ہوں مجھے کوئی ٹینشن نہیں ہے زمانے دمانے کا۔“

یمنی نے جلدی سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

”ایک بھی ڈھنگ کا دوست نہیں ہے اس کے پاس یہ تو اس کی ٹیلیٹی ہے۔“

ٹو ٹو نے ہنس کر کیا۔

”چو اب ہم ہیں ناں! کوشش کرتے ہیں ڈھنگ کا دوست بننے کی۔“

آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟“ مصطفیٰ برو راست یمنی کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھ رہا تھا۔

”اوہ! جھینک ہو!“ یمنی کی آنکھوں میں چمک بڑھنے لگی۔ اس نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ ٹو ٹو کو دیکھا۔

”مجھے تو کوئی اعتراض نہیں مگر ٹو ٹو کو تو ہو سکتا ہے سمندر پار سے دوست مائی ہے آخر۔“

”ڈونٹ کیئر! کوئی انسان کسی کی پراپرٹی نہیں ہوتا یہ بڑی گھٹی ہوئی سوچ ہے بلکہ بیمار سوچ اگر ایک انسان سے بہت سے بندوں کو خوشی ملتی ہے تو کیا حرج

”ٹو ٹو کا بند زاسی طرح ہے نیاز اندہ تھا۔“

”کتے بڑا دل ہے ٹو ٹو کا“ ٹھیک ہے یہ ہماری مدر لینڈ ہے ہم یہاں پیدا ہوئے

”لگنا بھی نہیں چاہتی مگر زندگی اپنی سوچ کے مطابق گزارنے پر تو یہاں ہماری آئیڈیلٹی ہے

”مستر جناح نے آزادی کے بعد پبلک سے کہہ دیا تھا آپ آزاد کوئی پابندی نہیں

”آپ کے گرجا، مندر، مسجد سب آزاد ہیں۔“ اپنی بات کے اختتام پر ٹو ٹو نے چھوٹا سا تھپہ لگایا۔ یمنی اور مصطفیٰ نے بھی اس ساتھ دیا۔

”ویل ٹو ٹو! پورا کیسی لینڈ میں تمہیں ایڈماٹر کرتا ہوں۔“ مصطفیٰ نے ہلکی روک کر کہا۔

”جھینکس مائی ڈارلنگ!“ ٹو ٹو بڑے مشرور انداز میں مسکرائی۔

”اب کچھ کھانے پینے کی بات کرتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے مینو اٹھاتے ہوئے کہا۔

”صرف کھانے کی؟ رات سے لے کر تم ایک ہزار جہانوں کی سیر کرتے رہے تھوڑا سا وقت اس دنیا اور دنیا والوں کو بھی دے دو۔“ ٹو ٹو نے سرزنش کے انداز میں کہا۔

”مصطفیٰ نے دل کھول کر تہقہہ لگایا۔“

”مرے پڑے رہتے ہو فون کر کر کے پاگل ہو جاتی ہوں۔“ ٹو ٹو بہت جل کر بولی تھی۔

”تو تم بھی میرے ساتھ انجوائے کیا کرو۔۔۔۔۔ میرے ساتھ ہی مری پڑی رہا کرو۔۔۔۔۔ ساتھ جنس ساتھ مریں۔۔۔۔۔ کیوں؟ کیا خیال ہے کا سر یڈ؟“ وہ یمنی سے پوچھ رہا تھا۔ آنکھوں میں بلا کی شرارت تھی۔

”بہت اچھا خیال ہے۔۔۔۔۔ دوست وہی جو ہر قدم پر آپ کا ساتھ دے۔“ یمنی نے

”پھر تم تو میری دوست نہ ہوئیں تم تو میرے ساتھ اسمولنگ بھی کرتے تھے کسی کو کاک ٹیل میں کیا شیئر کرو گی؟ چلو یہ کرو لینڈی ڈرائنگ تلی تھے شیمپے سے شارٹ لیتے ہیں۔“ ٹوٹو نے بھی مینو اٹھالیا تھا۔ مینو پر نظر دوڑاتے ہوئے وہ یمنی سے رائے لے رہی تھی۔

”اوہ تو۔۔۔ ایہ تو بہت بڑی کمزوری ہوتی ہے بندے کی رپوٹیشن بھی خراب ہوتی ہے۔“ یمنی نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

”رپوٹیشن؟“ ٹوٹو نے زبردست قبضہ بڑی مشکل سے کنٹرول کیا۔

”سوٹ ہارٹ! جس کے پاس لکڑی ہے اس کے پاس رپوٹیشن ہے۔“ ٹائسنس کیسی غریبوں جیسی باتیں کرتی ہو تمہاری بوڑھی دادی۔ تمہارا بیڑہ غرق کر کے رکھ دیا ہے۔“ مارے غصے کے ٹوٹو نے مینو کارڈ ٹیبل پر پٹخ دیا۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو ٹوٹو تمہاری دوست کے اندر خوف بہت ہے اور یہ اس کے گھر والوں کی وجہ سے ہے۔“

”جی! مجھے اس پر بہت ترس آتا ہے اسے بہت ہیئر (Bear) کرنا پڑا ہے بہت بڑا ڈن سے اس پر۔“ ٹوٹو نے بڑے تاسف سے کہا اور پھر اپنے بیگ سے سگریٹ نکالنے لگی۔

یمنی کا چہرہ یوں ہو گیا جیسے دُنی میں اس سے زیادہ ڈکھی اور مظلوم کوئی نہ ہو اور ٹوٹو سے زیادہ اس کا کوئی سہرا نہ ہو۔ بے بسی سے ہکلیاں چٹکانے لگی۔

مصطفیٰ ٹوٹو کی طرف متوجہ ہوا۔

”مجھے تم نے بتایا تھا کل تم اپنی فیملی میں کہیں انوائنڈ ہو ایسا کرتے ہیں کہ کل میں یمنی کو فیل کمپنی دیتا ہوں اس کی برین واشنگ کرتا ہوں یہ چیونچ ہو جائے گی ڈونٹ وری ابھی یہ اس لئے بولڈی سب کچھ نہیں کر سکتی کہ سے خوف ہے اس کا

باپ اس سے سب کچھ واپس نہ لے لے نہیں پر شرار کر کے اس کی شادی نہ کر دے میں اس کو انڈینڈ ہونے کی ٹکنیک بتاؤں گا اس کے سارے خوف بھاگ جائیں گے پھر یہ ہر وقت خوش رہا کرے گی او۔ کے مصطفیٰ نے بچے تکلفی سے یمنی کا ہاتھ تھام کر اس کی آنکھوں میں مسکراتے ہوئے جھانکا۔

یمنی کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ ایک جست میں جنت کی حدود میں آتر گئی ہو۔ ایسا دور کی جہاں غم و فکر کا لفظ بھی جہاں ایجاد نہیں ہوا معنی تو دور کی بات۔



”صاحب! کوئی فرحان صاحب آئے ہیں۔“ افسر علی کوئی ویب سائیڈ کھلے بیٹھا تھا اور اس پاس کے، حوال سے ٹوٹلی کٹا ہوا تھا۔ ایسے میں ملازم کی آواز کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔

”اوہ! اچھا اچھا! فرحان ہے اسے لان میں بٹھاؤ میں دو منٹ میں آتا ہوں۔“ اس نے بڑے گرم جوش انداز میں ملازم کو تاکید کی اور جلدی جلدی شٹ ڈاؤن کرنے لگا۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس وقت فرحان سے زیادہ کسی شے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ عجیب سی غلٹ سوار ہو گئی تھی۔ خون کی گردش تیز تر ہوئی جاتی تھی۔ کیا خسر و کی مہجور ”پی“ سے ملنے کو بے تاب ہوتی ہوگی اس وقت جو افسر علی کا حال تھا۔ اس نے تو آئینہ دیکھ کر ہاں سنوارنے کی زحمت بھی نہیں کی۔ اٹکلیوں سے بال سنوارتا ہوا نیچے آیا تھا اور لان کی طرف بھاگا تھا۔

شام رات میں ڈھل چکی تھی۔ تمام لائٹس روشن تھیں۔ ملازم نے Pool کے کنارے چیئر ز سیٹ کر دی تھیں جن میں سے ایک پر فرحان فروکش تھا۔ حلیے سے نور سز کا بندہ دکھائی پڑتا تھا۔ سفید کرتا پانچواں پہن کر غائباً گرمی ”انجوائے“ کر رہا تھا۔ افسر علی کو دیکھتے ہی والہانہ انداز میں ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھا اور بڑی گرم جوشی سے

”کہاں ہو یار...!“ افسر علی اپنے بازوؤں کا حلقہ لگ کر تے ہوئے پاپہ تھا۔

”جہاں تم وہاں ہم... رات ہی پہنچا ہوں بنگاک سے۔ سارا دن آج تک رہا یار۔ اگلی ٹھریوں تھک سرائیں تو یو ایس اے سے ملال ایسٹ وہاں سے فار ایسٹ... خوب جی بھر کر سویا... اب فریش ہو کر سیدھا تمہارے پاس آ رہا ہوں۔“

”بڑی نوازش کی آپ نے!“ افسر علی بھی ہمدردی نہ کو پا کر کھلا جا رہا تھا۔ شوخی سے بولا۔

”اور سناؤ... کیا خبریں ہیں گزرے ہوئے چھ مہینوں کی...؟“ فرحان شاندار ٹھنڈی ہوا کے اثر سے کچھ زیادہ ہی فریش محسوس ہو رہا تھا۔

”ہمارے پاس کیا خبریں ہوں گی یار۔ خبریں تو تمہارے پاس ہوں گی۔ سمندری حدود تو تم پھلانگ رہے تھے۔“ افسر علی نے ہنس کر کہا۔

”اچھا! جسٹ اے منٹ...! میں تمہارے لئے کولڈ ڈرنک لاتا ہوں۔“ افسر علی کو فرانس میزبانی کا دھیان ہوا۔

”بیٹھ یار! تم کہاں جاؤ گے؟ کسی ملازم کو آواز دے کر کہہ دو۔“ فرحان نے اسے اٹھنے سے باز رکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے ملازمین کو آواز دے کر بلانے کی عادت نہیں ہے یار۔“ اس گھر میں تو مجھے آوازیں لگتی ہیں۔“ افسر علی نے جتے ہوئے کہا۔

”اور تم اس بات پر ہنستے ہو؟“ فرحان نے سنجیدگی اور دکھ کے مے جے ہاتھ کے ساتھ کہا۔

”واقعی! نوڈلٹ! میں اب ہنستا ہوں بلکہ اس گزرے وقت

افسوس کرتا ہوں جب میں ڈپریشنڈ رہا کرتا تھا Complexed تھا۔ کتنی کیلوریز ویسٹ ہوئی ہوں گی میری اس پیرٹی میں۔ یار! جن کا گھر ہے پراپرٹی ہے انہیں اہم مرضی کرنے سے کون روک سکتا ہے؟ اور کیوں روکیں یعنی! آپ کیوں کسی کو احساس دلائیں؟ موقع دیں کہ وہ اپنا احسان جتانے پر مجبور ہو جائے۔ بچپانے کا محاکمہ دیا۔ فیملی ممبر رہنے برداشت کیا۔ اگرچہ کسی شیشر ہوم ٹاپ کی جگہ پر پہنچا ہوتا تو آپ کیا کر بیٹے؟ آئی ایم تھینک فل سوچ۔ آل آف دی فیملی ممبرز۔“

”یو آر گرٹ ایڈ وانٹ (Wise) بہت حقیقت پسند بن چکے ہو۔ یقیناً زندگی آسان ہو جائے گی۔“ فرحان اس کی طرف بہت محبت سے دیکھ رہا تھا۔

”اچھا ذرا بریک لو۔“ باقی تعریفیں بریک کے بعد۔ میں ابھی کولڈ ڈرنک لے کر آتا ہوں۔“ افسر علی نے چٹکی بجا کر کہا اور تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گیا۔

افسر علی کے لطیف سے مذاق پر فرحان کی مسکراہٹ بہت بے ساختہ تھی۔ اس کی مسکراتی نظروں نے افسر علی کا وہاں تک تعاقب کیا جہاں تک وہ جاتا دکھائی دیا۔

اسی طرح بیٹھے دو تین منٹ ہی گزرے ہوں گے گیٹ پر بارن سٹائی دیا۔ ایک کار پورچ میں پہلے ہی موجود تھی دوسری فرحان کی تھی۔ وہ ایک لمحے کو پزل سا ہو گیا کہ کہیں یہ آنے والی کار بھی گھر کی نہ ہو۔ جگہ تو ابھی کافی تھی مگر اس نے جلدی میں ٹھیک سے نہیں

دیکھی تھی۔ یہ سوچ کر کہ آدھ گھنٹے میں تو نکل ہی جائے گا یہاں سے۔

گیٹ کھلا ایک سلور بلیو اندر آئی اور رُک گئی۔

کار سے پہلے ڈرائیور اُترا۔ اس نے بڑی پھرتی سے بیک ڈور کھولا۔ فاخرہ خانم کار سے اُتریں اور آٹو پر نظر ڈال کر چوکیدار سے پوچھنے لگیں۔

”کس کے گیٹ آئے ہوئے ہیں...؟“

”جی! چھوٹے صاحب کا دوست آیا ہے۔“ چوکیدار کی نظریں فرحان تک گئیں جبکہ فاخرہ خانم کی توجہ اس طرف نہیں تھی۔ اب البتہ انہوں نے چوکیدار کی نظروں کا

”سہا کر رہے ہو آج کل“ وہ بڑے اشتیاق و تجسس سے پوچھ رہی تھیں۔
 ”کچھ ٹلی آئی“ پاپا کا برنس اتنا پھیل چکا ہے کہ مجھے اس کو صہیلپ کرنا ہوتا
 اسٹڈی کپیٹ ہے اس اب تو پاپا کے ساتھ ہی کام کر رہا ہوں۔“
 ”ماشاء اللہ ماشاء اللہ! بہت خوشی ہوئی میں کل کسی وقت تمہاری مٹی کو ملے
 آؤں گی۔“ وہ سامنے دیکھتے ہوئے قدرے آہستہ آواز میں کہہ رہی تھیں۔

”فسر علی کو لڑا رنگ کی ٹرے اٹھائے نمودار ہو چکا تھا۔
 ”ادہ شیور“ نئی ”آپ ضرور آئیں۔“

”او۔ کے مینا!“

”افسر۔۔۔ ادیکھو فرحان سے ڈنر کے لئے ضرور پوچھ لو ابھی ان کے گھر میں
 شاید کوئی ملازم بھی نہیں ہوگا چوکیدار کے علاوہ۔۔۔“ مٹی بھی نہیں ہیں۔“ وہ اس وقت
 اخلاقیات کے اس مینار کو چھوٹی محسوس ہو رہی تھیں جس کے گنبد آسمان کو چھو رہے تھے۔
 ”کاش“ امیری یہ قائل احترام چچی جان بچا بچا ایسی ہی ہوتیں۔“ افسر علی
 سوچ رہا تھا۔



نور خان دیئے گئے وقت سے دس منٹ پہلے پہنچ چکا تھا۔
 صاف ستھری خوبصورت شاہراہ، اونچی اونچی عمارات، روشنیوں، رونق، جی
 بہلانے کو بہت کچھ تھا۔ وہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہوٹل
 میں آنے جانے والوں کا بڑی دلچسپی سے جائزہ لے رہا تھا۔ ساتھ ہی کاروں کے ماڈلز کا
 بھی اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ طبیعت بہت ہلکی پھلکی تھی۔ آنے والے وقت میں
 مزید خوشگوار کی توقع تھی۔

ایک جوان، خوبصورت دعوت نگار، رہتی لڑکی، مسافر ہو تو سفر کیسے اچھا نہیں لگے گا۔
 طبیعت میں آوارگی ہو، نظر احتیاط سے نا آشنا ہو، تربیت کے معنی تک معلوم نہ ہوں، پیٹ

ساتھ دیا تو فرحان نظر آیا۔

وہ دُنیادار تو بہت تھیں۔ قصع دینا وٹ میں ان کے مقابلے پر کوئی نہیں تھا۔ یوں
 جوش مسکراہٹ کے ساتھ فرحان کی طرف بڑھیں۔ وہ انہیں، اپنی طرف آتا، دیکھ کر
 کھڑا ہو اور مؤدبانہ سلام عرض کیا۔

”وعلیکم السلام۔۔۔! بہت دنوں بعد نظر آئے فرحان۔۔۔! کیسے ہو بیٹا۔۔۔؟“
 یوں حال چال پوچھ رہی تھیں کہ شائستگی و اخلاق ان پر ختم تھا۔

یہ ان کی نفسیت تھی سر سے لے کر پاؤں تک اس کوشش میں جست جاتی تھیں
 لوگ ان کو بہت مہربان، باخلاق اور بے شمار خوبیوں کی مالک تسلیم کریں۔ ان کی
 مصنوعی گرم جوشی و ذہنیت اور مسکراہٹ افسر کی طبیعت پر بوجھ بن جاتی تھی اس لئے
 اسے تو آج تک حسرت ہی رہی تھی کہ چچی جان محترمہ کبھی اسے بھی انسان کا درجہ دے
 بات کریں۔

فرحان کا پڑوسی تھا۔ کئی سال پہلے یہ ہوگ کینڈا، نیگریت کر گئے تھے۔ افسر علی
 اور فرحان ہم عمر تھے۔ ایک اسٹول ایک کلاس میں پڑھتے تھے۔ شام کو ساتھ کھیلتے تھے۔
 افسر علی ساری زندگی میں صرف فرحان ہی کو دوست بنا سکا تھا اور اس پر مطمئن و رفا
 تھا۔

”س۔ آئی“ رات ہی کو آیا ہوں کینیڈا سے ڈرکٹ نہیں آیا ہوں بلکہ کئی
 جہتوں سے ہوتا سا یہاں پہنچے ہوں ای۔ آئی پہنچ رہی ہیں انہیں ریسیو کرنے کا
 رہا ہوں سوچا پہلے افسر سے سیو ہا۔ کرتا چوں۔“ فرحان دونوں ہاتھ باندھے
 بڑے شائستہ لہجے میں بول رہا تھا۔

بہت فریش نظر رہا تھا۔ اس کے نرم بال ہوا کے جھونکوں سے لڑ رہے تھے۔
 چہرے پر صحت کی چمک تھی۔ آنکھوں میں زندگی کی۔ قاخرہ خانم نے بڑی پرشوق نگاہ سے
 اس کا جائزہ لیا۔

بھرا ہو، فرصت ہو تو انسان انسان کب ہوتا ہے۔ اس کی سانس کی ہر تار جیوا
جذبات سے بوجھل رہتی ہے۔ نفس کی سرکشی کمال پر ہوتی ہے۔ خود غرضی اور
اندوڑی کے احساس کے علاوہ کوئی احساس ہی نہیں ہوتا۔

وہ اپنے نفس کی مستی میں جھوم رہا تھا کہ اسے یمنی آتی دکھائی دی۔ اسے مس
دینے ہوئے پورے دس منٹ ہو چکے تھے۔ مگر یمنی اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ
دولت ٹوٹو بھی تھی۔ نیم برہنہ مستی بھری چاں پھتی ہوئی۔ ایک نہ شدہ دوشدہ نظر کو ہر
سکین پہنچی۔

دونوں آہستہ آہستہ چلتی کار تک تھیں۔ ایک بچے کو نور خان ڈرا گھبرا سا گیا۔
یمنی کی حالت نارمل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے قدرے فکر مند ہو کر ٹوٹو کی طرف
دیکھا۔

”ٹیک مٹ ایزی شو فر! اس کی طبیعت اچھی نہیں ہے! اچانک خراب ہو
ہے اس کے کمرے تک پہنچا دینا گھر میں بتانے کی ضرورت نہیں۔
نے سرگوشی کے انداز میں بات کی۔

”آپ بو تو پہلے ڈاکٹر کے پاس سے جاؤں؟“ ارباب علی صاحب کا جواب
ڈاکٹر ہے اس کا ہاسپٹل زیادہ دور نہیں ہے۔ نور خان گھبرا کر یمنی کی طرف دیکھ
ہوئے ٹوٹو سے رائے لینے لگا۔

”اوہ نو! لی فٹ ڈاکٹر کا بچہ (گالی)۔“ یمنی مخمور آواز میں بولی۔

نور خان تو یمنی کے منہ سے مردانہ سی گالی سن کر ہی حواس باختہ ہو گیا۔ جلدی سے
دور کھولتے ہوئے لالا۔

”ٹیک اے... ٹیک اے... آپ بیٹھو!“

یمنی اندر بیٹھی نہیں بلکہ جیسے گر پڑی۔ اس کے پاؤں دروازے سے باہر تھے۔

نور خان نے پریشان ہو کر ٹوٹو کی طرف دیکھا۔

ٹوٹو نے جلدی سے یمنی کے پاؤں سیٹ پر رکھے۔ پھر دروازہ بند کر کے نور خان
سے بولی۔

”تمہیں پریشاں ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی گھر میں کسی سے دکر کرنے
کی سبجے؟“ اگر تم نے کسی کو بتانے کی کوشش کی تو کل سے سمجھو تمہاری چھٹی

اب جاؤ گے! وہ یوں ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولی جیسے لمبا آٹھا کر فارغ ہوئی ہو۔
”یہ سالا پیڈو اس کو ابھی تک روٹ سٹس نہیں ہے مفت کی تنخواہ
لے رہا ہے میں اسے شوٹ کر دوں گی۔ ایک دن یہ میرے ہاتھوں مرے گا۔“

نور خان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ رہا تھا۔ یمنی کے ارشادات سن کر یوں اچھلا جیسے
سیٹ پر اسپرنگ لگے ہوں۔ اسے تو یمنی کی آواز بہت ہی چنچل لگی۔ جیسے اس کے گاؤں
میں آجیب ردہ لڑکی بہت بھاری آواز میں بولتی تھی۔

وہ تو یوں فزائے سے گاڑی لے کر بھاگا جیسے اس کے پیچھے بھوت لگے ہوں۔

♦ ♦ ♦

افسر علی کو پتہ تھا کہ یمنی ابھی تک گھر واپس نہیں آئی۔ ارباب علی شام کو ایک دن
کے لئے اسلام آباد جا چکے تھے اور فاخرہ خانم اپنے بیڈروم میں آرام فرما رہی تھیں۔

احساس ذمہ داری ہمیشہ قدرتی ہوتی ہے۔ یہ جس تربیت سے بیدار نہیں ہوتی۔ گھر
میں وہ بہت غیر اہم سمجھتی لیکن یمنی سے اس کا قریب ترین اور براہ راست رشتہ تھا۔ اس گھر

میں سب کچھ اس کی پسند سے اٹھتا تھا لیکن یہ اس کا گھر نہیں تھا۔ اسے بہت برداشت کے
ساتھ ایک مخصوص مدت یہاں گزارنا تو تھی۔

بینو پورج میں نہیں تھی جس سے پتہ چلا تھا کہ نور خان یمنی کو لینے گیا ہوا ہے۔
یوں تو اکثر وہ رات کو میسر پر ہی اسٹڈی کیا کرتا تھا لیکن آج اس کا دل کتابوں اور نوٹس

سے جانے کیوں اچانک سا ہور ہا تھا۔

بچپن کا تکی سر تھی فرحان جب سے مل کر گیا تھا اس کے اندر عجیب سی بیقراری اتر

آئی تھی۔ کامیاب، خوش ہنس، من چاہی منزل سے قریب تر، خواہ مخواہ اپنے سے ستر
کی یہی تصویر اس کے ذہن میں بسی ہوئی تھی۔ اسے فرخان سے بہت اسیا رہش لی تھی
س وقت وہ بہت سے سنہری خواب دیکھ چکا تھا۔

کبھی کبھی تنہائی اور سکوت میں بہت کچھ سوچتا، خواب دیکھتا، چمکاتا ہے۔ تنہائی
یہ دنیا بھی بھر پور دنیا ہوتی ہے۔ اس میں سب کچھ ہوتا ہے۔ ممکن، ناممکن۔

اسی لمحے گیٹ کار کی ہینڈل سے ہلکا اٹھا تھا۔ ساتھ ہارن بجاتا تھا۔ چونکوا رہا ہے
”جیمبر“ سے نکل کر گیٹ کھولنے لگا اور وہ ٹیریس کی رینگ پر کہیں لگائے کار کو
داخل ہوتے دیکھنے لگا۔ ایک لاشوری ساجس تو رہتا ہی تھا۔

پہلے نورخان اتر اچھا اس نے پچھلے ڈور کھولا اور کچھ بول جو افسر علی سن نہیں سکا۔ مگر
یعنی کار سے باہر نہ آئی۔ نورخان اب ذرا جھک کر کچھ کہہ رہا تھا مگر اس کے بعد بھی وہی
منظر تھا۔

افسر علی کی پیشانی پر ابھرنے کی لکیریں کھینچ گئیں۔ اس نے نظارہ کرنا موقوف کیا اور
تیزی سے ذیہ اتر کر پورچ میں آیا۔

نورخان افسر علی کو دیکھ کر ایک دم چوک اور آٹھ ہو گیا اور باقاعدہ پیشانی تک
ہاتھ لے جا کر سیلوٹ کے اندر میں سلام بھی کر دیا۔ یہ ایک طرح کی بے اختیار
حرکت تھی جو عموماً کسی ابھرنے والے یا خلفشار کے وقت سامنے آتی ہے۔ جیسے چور اپنی دازمی
میں تھکا ڈھونڈنے لگتا ہے۔

”صاحب! بی بی کی حالت خراب ہے وہ پڑا سوتا ہے ہم اٹھتا ہے
نہیں اٹھتا اب جو آپ حکم کر دو۔“ نورخان نے مؤدبانہ عرض کی۔
”کیا ہوا؟ کیا بخار ہے؟ کہاں سے پک کیا ہے تم نے؟“ افسر علی
فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

”ام۔ ام کو نہیں معلوم کہ بخار ہے یا نہیں پران کا سہیلی بولا تھا ان کا طبیعت

دوب ہے۔۔۔ ام ان کو ہوش سے پک کیا ہے۔“ نورخان نے مٹھی اندر میں جواب
دیا۔

”ہوش سے؟“ افسر علی نے ذرا چونک کر نورخان کی طرف دیکھا تھا۔
”جی صاحب۔۔۔ ام آدھر ہی ان کو ڈراپ کیا تھا۔ آدھر سے ہی پک کیا
ہے۔“ نورخان نے کار کے اندر جھانکتے ہوئے جواب دیا۔ یعنی اسی طرح بے سود سو

رہی تھی جیسے اپنے بستر پر سو رہی ہو۔
”ہوں“ اٹھیک ہے ایک منٹ میں ٹرائی کرتا ہوں۔“ وہ نورخان کو ایک

طرف کر کے جھک کر اندر دیکھنے لگا۔
”یعنی اہلو! کیا بات ہے؟ کیسی طبیعت ہے؟“ اس نے یعنی کا

ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا۔

یعنی نے جیسے چڑکرا کر اپنا ہاتھ چھڑایا اور ڈمکی کی طرف کروٹ لے لی۔

افسر علی سیدھا کھڑا ہو گیا اور سوچتے ہوئے نورخان سے مخاطب ہوا۔

”تم جاؤ، اپنے کوارٹر میں اسے اسی طرح رہنے دو سونے دو بخیر و خیر
”تم جاؤ، اپنے کوارٹر میں اسے اسی طرح رہنے دو سونے دو بخیر و خیر

نہیں ہے جب جاگے گی تو خود ہی چلی جائے گی اپنے کمرے میں۔“

نورخان تو ہاں سے گویا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا جیسے جان بچی لاکھوں پائے۔

افسر علی بھی ایک نظر کار کے اندر ڈال کر کوشی کے اندر وئی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

چہرے سے ظاہر تھا کہ بہت گہری سوچ ہے۔

♦ ♦ ♦

”رات کتنے بجے آئی تھی یہی؟“ عطیہ بیگم بہو سے پوچھ رہی تھیں۔

”پتہ نہیں۔۔۔ میں تو کل بہت تھک گئی تھی جلدی سو گئی تھی نورخان کو بھیج
”پتہ نہیں۔۔۔ میں تو کل بہت تھک گئی تھی جلدی سو گئی تھی نورخان کو بھیج

دیا تھا۔۔۔ وہ میرے سامنے آئی گئی تھی۔“ فاخرہ خانم نے چائے میں شکر ملائے ہوئے،
دارل انداز میں جواب دیا۔

دارل انداز میں جواب دیا۔

”شاہش ہے ذہن ! بلکہ جنتی بھی شاہاشی دی جائے کم ہے..... جو ان جنتی
سے باہر ہو تو ماں کو کیسے نیند آ جاتی ہے ؟“ عتیہ بیگم تاسف اور طنز دونوں سے کام لے
رہی تھیں۔

”یہ وہ زمانہ نہیں ہے اماں..... کہ لڑکیاں گھر سے باہر چلی جائیں تو گھر والے پریشان ہو جائیں۔ لڑکیوں کو اپنی ذمہ داریوں کا پتہ ہوتا ہے۔ وہ میری اجازت سے ملتی تھیں اور کہاں گئی تھیں یہ بھی بتا کر گئی تھیں۔ وہ سہا نہیں تھیں گھر کا ڈرائیور سے لینے گیا تھا۔ وہ اندھیرے میں اکیلی نہیں تھیں روڈوں پر۔“ خیرہ خانم نے تیوری پر تل ڈال کر جواب دیا۔

”پہلے زمانے کی عورت مٹی کی ہی ہوتی تھی۔ اب کیا پاکستان اسٹیل میں دھنسی
ہیں؟ دماغ جذبات کے بغیر ہوتی ہیں؟ زمانے سے عورت کا کیا تعلق؟
زمانہ کوئی سہو عورت تو عورت ہی ہے۔ پتہ نہیں آج کل کی پڑھایا جا رہا ہے۔
تو سمجھ سے باہر ہے۔“ عطیہ بیگم نہایت ہنسناری سے بہو کے خیالات مسترد کر رہی تھیں۔

”پڑھی لکھی یا شعور عورت میں اور ایک دیہاتن میں بہت فرق ہوتا ہے آج کل لڑکیاں باہر ملکوں میں پڑھنے جاتی ہیں۔ ان کی اماںیں ان کے ساتھ نہیں جاتیں۔ بڑی بڑی یورینورسٹیوں میں پڑھتی ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتی ہیں۔ شام کے خیابان گھر سے دیکھنے گھر سے بھاگنے والی لڑکی غریب، جاہل، اُن پڑھ ہوتی ہے اس لئے کہ اس کے پاس تعلیم اور شعور نہیں اس لئے ذمہ داری کا احساس بھی نہیں۔ آپ تو بھی پچاس سال پہلے والے وقت میں رُک جاتی ہیں۔ یہی حال بیٹے کا ہے۔ خاں ہے اُن کی تربیت آپ ہی کے ہاتھوں ہوئی ہے جو آپ کے خیالات ہیں وہی ان کے۔“ فخرہ خانم کا موڈ اتنی ہی خراب ہو چکا تھا۔

میں سے اچھی طرح جاننے کی کوشش کرتا ہے گھر کا تماشا نہیں بناتا... بھرم سے جیتا

51

ہے اسے کون سا عورت کا سکھ ہے؟ کپڑے لائڈری میں ڈھلتے ہیں خانسا
نوکڑے جوتے کپڑے تیار کرتے ہیں نوٹ چھاپنے کی مشین بنا ہوا
دن رات اپنا تیل نکالتا ہے جس سے اس گھر کے چراغ روشن ہیں۔
ہے میرا بچہ تیرے کسی طرح کی مروت کرنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

”ساری عمر میں ایک اولاد پیدا کی
اس کی بھی دیکھ بھال دو بھر ہے۔“ عطیہ

عظیم بڑائیں۔
 یہ نہیں تھا کہ قدرت کہ اپنی مرضی سے بچے پیدا کرتی ورنہ دس بارہ

جیم بڑبڑائیں۔
 ”میرے ہاتھ میں نہیں تھی یہ قدرت کہ اپنی مرضی سے بچے پیدا کرتی ورنہ دس بارہ
 تو پیدا ہو ہی جاتے۔“ قاخرہ خانم بھی بڑبڑاتے ہوئے بولیں اور جھپاک سے لاؤنج سے
 نکل گئیں۔
 ویران ہو جاتے اس گھر میں جتاؤ جوان

نکل گئیں۔
 ”شکر ہے کہ نہ ہونے دس بارہ
 ویران ہو جاتے اس گھر میں بتاؤ جوان
 جہان لڑکی راتوں کو غائب رہتی ہے
 شاہ باغی ہے اسی بے فکری ماں کو۔“ وہ جل بھن
 کر سوچ رہی تھیں۔
 ”تو ٹھنڈی ہو گئی ذرا یہ ایک منٹ

کر سوچ رہی تھیں۔
 "ارے بدرالدین! بیٹا! یہ چائے تو ٹھنڈی ہو گئی
 والے اوون میں تو گرم کر کے لے آ۔" وہ خانسا کو آواز دینے لگیں۔

یہی بستر پر اوندھی پڑی تھی۔ نگلیہ سر پر رکھا ہوا تھا۔ وہ جاگ رہی تھی اور رات کے واقعات یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کچھ دُھندلی دُھندلی سی تصویریں ذہن کے پردے پر متحرک تھیں۔ ٹھیک سے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ البتہ اپنا رات کے تین بجے کار کی سیٹ پر سوتے سے بیدار ہونا اور کار سے اتر کر اپنے بیڈ روم میں آنا اچھی طرح یاد تھا بلکہ

اس وقت سے اچھی خاصی ٹینشن شروع ہو گئی تھی۔

”کسی نے اسے کار میں سوتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟ فوراً غائب ہو گیا۔“
جگانے کی کوشش تو کی ہوگی....؟ اس طرح اسے کار میں چھوڑ کر تو اپنے کوارٹر میں نہیں
سکتا تھا۔“

”ہوٹل سے کب باہر آئی؟ کب کار میں بیٹھی؟ کچھ یہ نہیں رہا تھا۔“
اگرچی نے اس کی حالت دیکھ لی ہوتی تو صبح ہی اس کے روم میں ”کر پوچھ پڑتاں“ بھیج
ہو تیں اور اگر دواوی جان نے دیکھا یہ ہوتا تو سارے گھر میں اس وقت سے ایک ہنگامہ
برپا ہو چکا ہوتا۔ ”یہاں تک سوچ کر وہ اب پرسکون سی ہو گئی۔ نکیہ ہٹ کر ایک طرف جا
اور سیدھی ہو گئی۔“

سب کچھ بڑیا نیا سا لگ رہا تھا۔ شعوری حواس پوری قوت سے کام کر رہے تھے۔
ذہن ایک دم فریش اور چوکس تھا۔ اس نے بڑے اہتمام اور اطمینان سے زوردار
انگڑائی کی۔

دروازے پر بہت ”ہستکی“ سے ٹک ٹک ہوئی۔ ہاتھ جہاں تھے وہیں رک گئے۔

”کون....؟“ اس نے بستر سے اترتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں.....! بیٹی.....! وہ ایک منٹ.... ذرا بات سنو.....!“ یاہر سے افسر علی کی
آواز آئی تھی۔

”اوہ... اس کو کیا کام پڑ گیا مجھ سے؟“ شیدائی نے چائے بھجوائی ہو؟“
وہ اندازوں سے کھیتی دروازے کی طرف گئی اور کھڑا روڑہ کھول کر باہر جھانکتے لگی۔

”ہوں! کیا بات ہے.....؟“ وہ ماتھے پر ہل ڈال کر بہت بیزاری سے پوچھ
رہی تھی۔

”میں دو منٹ کے لئے تم سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ نظریں چراتے

ہوئے گویا ہوا۔
”ضروری بات تھی تو می سے کر لیتے۔“ وہ اسی طرح چڑے ہوئے لہجے میں کہہ

رہی تھی۔
پھر کسی خیال کے تحت چونک کر اس نے افسر علی کی شکل دیکھی اور ایک طرف ہٹتے

ہوئے بولی۔
”اندر آ جاؤ! اسپلٹ آن ہے مجھے ڈور بند کرنا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ بالکل

ایک طرف ہو گئی اور افسر علی اندر داخل ہو گیا۔

بڑی ترم سی ٹھنڈک نے اس کا استقبال کیا۔ اس نے ایک ناقداںہ نظر کمرے میں
دوڑائی اور بیٹی کے کہیں ٹک کر بیٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔

یعنی نے دروازہ بند کیا اور وہیں کھڑے کھڑے یوں۔ پوشانی پر مل چڑھے ہوئے تھے۔

”ہاں..... ایلو..... کیا ہے وہ ضروری بات.....؟“

”رات تم کہاں گئی تھیں.....؟“ اس نے یعنی کی طرف دیکھے بغیر بہت آہستہ آہستہ میں پوچھا۔

”واہ! تم بھی مجھ سے پوچھو گے؟“ میں نے تو ابھی تک نہیں پوچھا۔ تمہیں میرے آنے جانے سے کوئی تکلیف ہو رہی ہے.....؟“ وہ ایک دم بھڑک اٹھی۔

”اگر چچی جان نے رات تمہاری وہ حالت دیکھ لی ہوتی جو میں نے دیکھی ہے تو یقیناً اب تک پوچھ چکی ہوتیں۔ ایک نہایت بیڈ اسمیل تمہارے پاس سے آرہی تھی۔“ افسر علی نے کچھ جتاتے ہوئے کہا۔

”مسٹر افسر علی! تمہارا نام افسر ہے مگر تم میرے افسر نہیں ہو..... اپنے کام سے کام رکھو۔“ یعنی نے پھٹکھانے والے انداز میں اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”میں یہاں چچی جان کی مرضی سے رہ رہا ہوں۔ ان سے میرا بہت قریبی رشتہ ہے۔ اگر کسی بات سے ان کی ریپوٹیشن خراب ہونے یا ان کے لئے کوئی مشکل کمزری ہونے کا خطرہ ہو تو میرا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ میں ایسا نہ ہونے دوں۔ آپ اسے تنک حدائی بھی کہہ سکتی ہیں۔“

”رات گئے بیہوشی کی حالت میں ڈرائیور کے ساتھ گھر آنے پر انہیں ضرور اعتراض ہوگا۔ جس بات پر انہیں اعتراض ہو وہ بات نہیں ہونا چاہئے ورنہ میں یہ سب ان کے نوٹس میں لانے پر مجبور ہوں گا۔“ یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکلنے لگا۔

”تمہیں میرے معاملات میں ٹانگ اڑانے کا کوئی حق نہیں۔“

”یہ آپ کے معاملات نہیں ہیں۔ میرے چچی کے معاملات ہیں۔“ افسر علی نے

اس کی بات کاٹ کر بڑی بر جسنگی سے کہا تھا۔

”زیادہ ڈیوٹی افسر بننے کی ضرورت نہیں مسٹر اور چلتا کر دیا جائے گا تمہیں یہاں سے۔“ وہ بھوکے شیرنی کی طرح غرائی۔

مگر اس گھر میں یہی سب کچھ آئندہ ہو، تو میں خواہی نہیں رہوں گا یہاں۔ آپ نیپولون نہ کریں۔“ افسر علی نے بڑے سکون اور اعتماد سے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

میں نے کوئی یہ اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ آنکھیں پھاڑے اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

♦ ♦ ♦

یعنی افسر علی کے جانے کے بعد خاصی دیر تک بل بھرتی رہی۔ وہ رہ کر خون میں

باں لٹا تھا۔

”اس کی ہمت کیسے ہوئی؟“ بس یہاں تک سوچ کر شل ہو جاتی تھی۔ پھر ایک دم شدید بھوک کے احساس سے بے تاب سی ہو گئی۔ کل رات کا ڈنر کیا ہوا تھا اور اب دوپہر ہونے کو آئی۔

داش روم جا کر حدی حدی منہ ہاتھ دھویا اور تیزی سے دروازہ کھول کر ڈائننگ کی طرف آئی مگر سامنے ادوی کو دیکھ کر جیسے بھوک ہی اڑ گئی۔ بڑی بے دلی سے اس نے کرسی تکسلی دور دھتے ہوئے طوہا کر ہا سلام کیا۔

عصیہ بیگم نے عینک کے عدسوں کے پیچھے سے جھانک کر پوتی کا چہرہ بغور دیکھا۔

”رات کی سوئی اب اٹھی ہو.....؟“ انہوں نے بڑے اچنبھے سے ایک نظر گھڑی پر ڈالنے ہوئے سوال کیا۔

”جی۔!“ اس نے بڑی بے خوفی اور ڈھٹائی سے ”جی“ کہا تھا۔

”شاباش ہے بیٹی.....! کالج کی چھٹی ہو گئی؟“ معا انہیں خیال آیا کہ روز تو وہ

کالج جاتی ہے۔

یعنی نے سیب کاٹ کر کھانا شروع کر دیا تھا۔ منہ سے جواب دینا محال تھا۔ سر ہلاتے تھے۔

”مسٹر ڈوڈی ...! دو پراٹھا گرم گرم اور کس اچار ... بہت زور سے بھونک رہی ہے اور دیکھو فرج میں فروٹ سیلیڈ رکھا ہو تو وہ ضرور رانا تھوڑی سی کریم ڈالیں اس پر۔“ اس نے سیب بھینچوڑنے کا سلسلہ موقوف کر کے خانسا کو آؤر ڈر دیا۔

”کیوں نام بگاڑتی ہو غریب بچوں کے ...! اچھا بھلا داؤد نام ہے اس کا۔“ عطیہ بیگم جھک کر بولیں۔ کوئی تو ایسی بات ہو جو قابل اعتراض نہ ہو۔

”حد ہو گئی“ وہ سینگ رہی تھیں۔

”ہم نے تو اسے معزز کر دیا ہے دادو ...! آپ کو پتہ ہے ڈوڈی کون تھا۔“

اس نے بڑے تسننہ انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا اور جواب کا انتظار کے بغیر سیب پر منہ مارنے لگی۔

عطیہ بیگم غصے سے بھڑک اٹھیں۔

”اے مجھے کیوں کھوج ہو کسی ڈوڈی پوڈی کی ہوگا کوئی اللہ کا بندہ۔“

”ارے دادو ...! یہ وہ شخص ہے جو مر کر امر ہو گیا ...! پرنس ڈیانا کا محبوب تھا۔“

اس کے ساتھ ہی ایکسیڈنٹ میں ایکسپائر ہو گیا تھا۔ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی ہوں گی جو بائی لک پوری ہو گئیں۔“ یعنی نے بڑی ڈھنکی سے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہونہہ“ امر ہو گیا۔ پرائی عورت کے ساتھ گچھنے لگتا گیا ہے نا۔

”اللہ اس پر رحم کرے۔ کوئی فخر اے از کی بات تو نہیں ہے یہ۔“ عطیہ بیگم تیار چڑھا کر بولیں۔

خانسا ان کے سامنے چائے اور مال کا حلوہ رکھ کر چلا گیا تھا۔ نبھوں نے

کپ کے پیچے سے نکال کر حلوے پر ڈھانپ دی۔

”میں نے تو یک پیالی چائے کے سنے کہی تھی۔“ ٹھہر کی نما کا وقت ہوا چاہتا ہے

اس کے بعد کھانا تو کھانا ہی ہے۔“ دادو بڑا جاتے ہوئے کپ میں مچھ چلانے لگیں۔

”اے دادو“ وہ پرائی عورت کہاں تھی؟ حدق لے چکی تھی شہزادے سے۔

آپ کو تو کچھ پتہ ہی نہیں۔“ یعنی نے بھی ان کا دل بدلنے کی ٹھان لی تھی۔

”تو بی بی“ ہمیں پتہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ چھ لمبے بھاڑ میں جائے زینا۔ پیسے ہم اپنا گھر تو دیکھیں۔ اس گھر کی تو لڑکا ڈوبی جاتی ہے۔ اللہ معاف کرے۔“ وہ ہر فرد خدشہ ہی ہو کر بولیں۔

”یہ سکا“ سری سکا والا ہے ناں دادو۔“ یعنی نے زمانے بھر کی معصومیت

چہرے پر رکھ کر کے پوچھا۔

”بتاؤ“ اچھ نک بھر کی لڑکی ذرا دیر میں چل گئی مجھے میں تو سوچ رہی تھی کہیں نظر آئے تو کچھ ضروری باتیں کروں۔“ عطیہ بیگم اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر اپنے بے

دقوت بن جانے پر چھپتانے لگیں۔

”وقت بن جانے پر چھپتانے لگیں۔“

”جی دادو“ اکیسے ضروری بات ...! عین آپ کے سامنے بیٹھی ہوئی ہوں اس

وقت۔“

”دیکھو بیٹی ...! تمہاری ماں میری بہو ہے اور ساس بہو کی ہر زمانے میں کم ہی بنی

ہے۔ یہ تو بحث ہی بیکار ہے۔ لیکن تم میری پوتی ہو، میری اولاد ہو، میرا خون ہو ...

مجھے تمہاری بہت فکر رہتی ہے۔ بیٹی ذات جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائے اتنا اچھا

نیک برہمن بھی نصیب کی بات ہے۔ تمہاری ماں کو بہتیرا سمجھا رہی ہوں مگر بھئی ...! کی

اس کی سمجھ میں میری بات نہیں آرہی۔ وہ کہتی ہے تم نہیں مانو گی۔“

”کیا نہیں مانوں گی؟“ یعنی نے انجان بنتے ہوئے دادی کی بات کاٹی

۔ تاکہ وہ سمجھ رہی تھی کہ عطیہ بیگم کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔

”دیکھو بیٹی“ افسر علی گھر کا لڑکا ہے۔ تمہارے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا

ہے۔

”دادو! مائی گا! افسر علی وہ نام کا افسر ہے مجھے پیر غصہ آتا ہے کہ آپ لوگوں سے اس کا نام غلام علی کیوں نہیں رکھا۔ شکل ستی ہے چپتی ہے۔ دانش اسے ہوک۔ افسر علی۔ وہ دادی کا بہت سی ظکر گئی تھی اور چاہ رہا تھا نیکل سے کرا کری، ٹھہ کر زمین پر دے مارے۔ ایک تو پیسے ہی لپے ختم تھا اس پر سے شدید بھوک پھر اس پر قیامت افسر علی کا پر پوزل۔

”مسٹر ڈوڈی! پراٹھا! میں ہلاک ہونے والی ہوں بھوک سے۔“
کی طرف منہ کر کے چلائی۔ ہر ہر ادا سے ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ اس نام پر نہیں سنے گی۔
عطیہ بیگم کی بھونٹیں تنی ہوئی تھیں۔ آنکھیں انکارہ ہو رہی تھیں۔ ایک نکل پوز گھو رہی تھیں۔

”ہاں! پالوس نفس کو تیز گرم کھانا کھاؤ ٹھنڈا پانی پیو۔“
کرسو۔ جب تک دل چاہے تب تک سو۔ پالو اسے کیڑے مکوڑوں کے سنے۔
زندگی آمد برائے زندگی
زندگی بے زندگی شرمندگی

”نوب پالو! پروان چڑھاؤ!۔۔۔ بہت اچھی تربیت ہو رہی ہے تمہاری۔“
وہ کرسی دھکیں کر ٹھکڑی ہو میں۔ ہائر پشٹ تھیں اس سے زیادہ برداشت نہیں تھیں۔

”اگر کسی میں عقل نہ ہو تو وہ سمجھنے بچھنے پر تو غور کر سکتا ہے۔“ وہ کسی طرف دیکھے بغیر تیزی سے ڈانگ سے باہر نکل گئیں۔ اسی لمحے خانہ ما بھی گرم پائے کر حاضر ہو گیا۔

”تھینک گاڈ! یعنی نے دادی کے ٹھہ جانے پر کلمہ شکر ادا کیا اور پر نور

پروٹ پٹی۔

یسی نے ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ بطور سویت ایک گلاس آئس کریم کا ری۔ اب اس کا سوڈناہایت خوشگوار ہو چکا تھا۔ وہ کسی قسم کی نامکوار بات سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسے وہ رہ کر مصطفیٰ حجازی یاد آنے لگا۔ اس کی جادوئی شخصیت، دل آویز، پند اسرار کی مسکراہٹ، آنکھوں کی وہ خون گر مائے والی بے باکی، دل چاہا جادو کے دور سے وہ یکدم اس کے سامنے آ بیٹھے۔

وہ اصرار دھر گھر میں بلا مقصد ٹہلے ہوئے سوچ رہی تھی۔ عین اسی لمحے افسر علی، ن کی طرف سے ندر آیا اور اوپر جانے والے راستے کی جانب چلا۔
یسی نے بڑی تسخر اندی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا تھا۔
”ہونہ! کہاں مصطفیٰ حجازی جیسے لوگ کہاں یہ احق جس کی شکل پر“
”خواہ P. 61 میں جائے یہ نہیں مٹے گی۔“

وہ نڈل کلاس کی اسٹیپ لگی ہوئی ہے۔ وہ مدہم کی روشنیاں، من پسند کھانا، اس کے تصور میں گزشتہ رات آہی۔ وہ مدہم کی روشنیاں، من پسند کھانا، مدہم کی خوشبوئیں اور خوشبو جیسی باتیں۔
”آف! زندگی تنی شاندار بھی ہو سکتی ہے۔“ یعنی نے سرخوشی کی کیفیت میں سوچا۔ وہ تو بس اچھا اور من پسند کھانے پہننے اور لکڑی ریس یوز کرنے کو ہی شاندار زندگی سمجھتی تھی۔

”کتنا کمال شخص سے یہ حجازی! ایٹ اسے ٹائم دو لڑکیوں کو خوش کر رہا تھا۔“
”یعنی پراپیک سرور کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔“

”آف! کب شام ہوگی اور ٹونو حجازی کے ساتھ اسے بیٹے آئے گی ایک حسین شام اور اس کے بعد شاندار سی رات۔ بس زندگی یونہی گزر جائے تو کیا بات ہے۔“ وہ اپنے ہی خیال میں گہری زیر لب مسکرا رہی تھی۔

معاذتہ پنی شام کی چاری کا خیال کیا کہ اسے کیا پسند چاہئے اور میں مارک بچا جاتے۔ اس کے پاس سب جلدی میں خریدے ہوئے پر فلو مڑتے جبکہ مصطفیٰ کی شہر قیامت چیز خوشویات، استعمال کرتا ہے۔

سے جی۔ کی کے ٹیسٹ کا حین رکھ ہوگا تب ہی یہ دوسری جلد مضبوط ہونے اسے آج شام کے لئے کوئی بہت ہی اچھی خوشبو خرید لیتا چاہئے۔

وہ نور خاں کو تلاش کرنے کی غرض سے پورے میں چلی آئی۔ ایک چھوٹی کار پارک میں موجود تھی بڑی نہیں تھی۔ اس کا مطلب ہے نور خاں مکی کو کہیں ڈراپ کر سنے کیا ہوا ہے۔

”مائی گاڈ!“ اب اسے خود ڈرائیو کرنا ہوگی۔ فضول میں کیوریٹ ویسٹ میں ہوں گی۔

اسے تو سکون سے ٹیک لگا کر سفر کرنے کی بچی عادت پڑ چکی تھی۔ ڈرائیو کرنا تو اس کے نزدیک پہاڑ کھودنے کے برابر تھا۔ عجیب سی کوفت نے اسے آگھیرا۔

”ایک ڈرائیو سے کام نہیں چلے گا۔ میرا اپنا پرسنل ڈرائیو ہونا چاہئے۔“ اس نے سوچا۔

وہ چالی بیٹے اندر چاری تھی اور کڑھ رہی تھی۔ سامنے ہی اتفاق سے ڈسٹنگ کرن ماسی نظر آگئی۔ بچی کو قدموں سکون کا احساس ہوا۔

”چند کاری ڈسٹنگ تو یہ کر سکتی ہے ایک کام سے تو جان بچی۔“



فرحان مغرب کی نماز کے بعد افسر علی سے ملنے گیا تھا۔ دونوں دن میں بیٹے باتوں میں مصروف تھے۔ فرحان اپنی مصروفیات اور کامیابیوں کی باتیں کر رہا تھا۔ افسر بہت دلچسپی سے سن رہا تھا۔

اس کے اندر ایک تھریل سی دوڑنے لگی تھی۔ دل چاہا پالک جھپٹے ہی اس کا شہر بھی

کے کامیاب ترین مشنوں میں ہوئے تھے۔ زنجیریں کٹ جائیں۔ وہ بھر پور اثرات برسرے درمیان فساد میں اڑتا پھرے۔ حسانات کے بوجھ اتر جائیں۔ وجود پھول کی طرح ہلکا ہو جائے۔

میں چارویں ری میں بہت یوریت اور تھکن محسوس کرتا ہوں فرحان! میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا کام کروں کہ ہر وقت سو بائل رہوں۔“ اس نے یار دیریتہ کے

ساتھ سے بالآخر اس کی بات کہہ دی۔ تم حینس ہو بختی ہو، ہیل بھی ہو، بیک ہو

”یہ کوئی ناممکن سی خواہش نہیں ہے جہاں جہاں میرا تھون چاہو گے اٹھ اٹھ

تھری خواہش حقیقت میں برسی سکتی ہے میں ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں پھر سب سے بڑی بات

نہیں، پوری نہیں ہوگی میں ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں سیلف میڈ لوگوں کے کارناموں

میں خود بھی نہیں بہت کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں ۱۱۱۱۱۱ موجود ہے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔“

سے تاریخ بھری پڑی ہے تمہارے اندر ۱۱۱۱۱۱ موجود ہے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔“

رحمان بہت حلوں سے کہہ رہا تھا۔ پھر گھر پر ایک نظر ڈال کر شرارت سے مسکرایا۔

جو ہو ذوقی یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

”چھٹک یو“ یار! سورس سپورٹ بھی بندے میں فیول (Fuel) کا کام

کرن ہے مجھے اس سے زیادہ تم سے کچھ نہیں چاہئے۔“ افسر علی جزیہ تشکر سے چور ہو

کر کہہ رہا تھا۔ اسی لمحے گیٹ پر کسی کار کا مارن زور سے بجایا۔

چوکیدار نے گیٹ سے باہر جھانکا۔ کچھ بات کی پھر اپنے کیبن میں گھس گیا۔ غالباً

ان کا کام پرامن طلاق دے رہا تھا۔

چند لمحوں بعد ہی یعنی شوڈر پر بیک درست کرتی بڑی تیزی سے چلتی باہر آئی۔ جھگ

جہز اور سیولیس چھوٹی سی گہرے گلے کی شرٹ میں ملبوس تھی۔ اس کی باہر آمد سے

خوشبوؤں کا ایک طوفان اُٹھ پڑا۔

”مائی گاؤ۔ ایہ یعنی ہے۔“ فرحان عالم تھیرے باہر آکر افسر علی سے مل گیا۔

جواب میں افسر علی کے ہونٹوں پر بڑی تلخی مسکراہٹ بھری۔ جس میں بڑے مضامین پوشیدہ تھے۔
چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ یعنی باہر نکل گئی۔

افسر علی ایک دم بے اختیار سا ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ اور گیٹ کی طرف چلا۔
فرحان ڈر بٹھ کر سے جاتا ہوا دیکھنے لگا پھر کسی خیاں کے تحت خود بھی اس کی طرف چل پڑا جہاں افسر علی جا رہا تھا۔

چوکیدار نے انہیں تادیکھ کر گیٹ بند کرنا موقوف کیا اور ایک طرف ہٹ کر ہو گیا۔

افسر علی گیٹ سے باہر نہیں گیا بلکہ گیٹ کے قریب پہنچ کر رُک گیا اور باہر دیکھنے لگا
ایک بیک ٹرکی لکڑی کا رتھی۔ آگے ایک نوجوان جو بلیک ڈنرسوٹ میں بیٹھا تھا
بیٹھا تھا اور بڑے دیہیکل جتنے کا، ملک تھا۔ چہرہ بھی خاص بھاری بھاری تھا، فارغ التحصیل
دے رہا تھا۔

براہر میں ایک خوبصورت سی لڑکی بیٹھی تھی جس کے ڈودھیا بازو اندھیرے میں
چمک رہے تھے۔

بکسی پچھلے دور کھوں کر بیٹھ رہی تھی۔ ان کے درمیان کوئی تھلے بازی بھی ہو رہی
تھی۔ اس کا اثر ان کے چہروں پر مسکراہٹ کی صورت ظاہر ہو رہا تھا۔

بس اتنا کچھ دیکھ کر ہی افسر علی ہٹ گیا۔ اپنے اخیان میں پلٹا تھا اسے اندازہ
نہیں تھا کہ فرحان بھی اس کے قریب آکر اٹھا ہوا ہے۔ فرحان سے ٹکراتے ٹکراتے
گیا اور ذرا خفیف سے انداز میں مسکرا دیا۔

”کیا دیکھ رہے تھے“ افسر علی نے فرحان نے قدم سے قدم دے کر

پتے ہوئے پوچھا۔
”افسر علی نے ایک آہی کھینچی اور مسکرا دیا۔ بڑی معنی خیزی
مسکراہٹ تھی۔“

دونوں دوبارہ لان میں کرسیوں پر آئے سانسے بیٹھ گئے۔
”کیا تاڑ رہے تھے؟ ایسا تو کچھ خاص نہیں تھا؟“ یعنی غائب اپنے دوستوں
کے ساتھ کہیں جا رہی ہے۔ یہ تو بڑے روٹین کے مناظر ہیں عموماً سورج ڈھنسنے کے بعد
D.H.A کی ہر سڑک پر نظر آتے ہیں۔“ فرحان بغور افسر علی کی صورت دیکھتے ہوئے

قد سے، بگھن میں نظر آ رہا تھا۔
”کچھ نہیں یاد۔“ اچھی جان بے خبری میں مارے جا رہے ہیں جس کا مجھے بہت
الوس ہے۔ آنے والے دنوں میں ان پر بڑا کام پڑنے والا ہے۔ بس اسی وجہ سے

کچھ پریشانی ہے۔“ افسر علی نے متفکر انداز میں نظریں جھکا کر جواب دیا۔
”جب تمہیں اندازہ ہوئی چکا ہے کہ وہ کسی مشکل میں پڑنے والے ہیں تو ان کے
ہولس میں لے آؤ تاکہ وہ بھی سے اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ ڈھونڈ لیں۔“ فرحان نے

سیدھا سا حل بتایا۔
”یار“ ایک کلکیش شروع ہو جائے گا کیونکہ یہاں ہر بندہ خود کو درست سمجھ رہا

ہے۔“ افسر علی نے مایوس سے لہجے میں جواب دیا۔
”یوں جیسے کہیں ڈور کھلیں سے پرے اٹھتے ڈھواں دل میں اندیشے جگاتا ہے کہ

کہیں کسی کھیت کھلیاں میں آگ نہ لگی ہو۔“
”کسی بڑے نقصان سے بچنے کے لئے کلکیش سے تو گزرنا ہوتا ہے۔ یہ پراسس

میں آ جاتا ہے۔“ فرحان بڑے اعتماد اور سکون سے کہہ رہا تھا۔
”کہنے کی حد تک یہ بہت آسان نظر آ رہا ہے مگر تم ان لوگوں کے مرنے نہیں

جانتے۔“ افسر علی نے سوچ سوچ کر جواب دیا۔

”کہیں جنہیں یہ ڈر تو جنہیں کہ شکایت کرنے کی صورت میں آتی تھیں نہ کہ نہ رہے نہیں دیر گی۔“ فرحان نے اب ادھوک انداز میں سول کیا۔

”مجھے اب اس کی پروا نہیں۔۔۔ مگر میں اپنے قابل قدر بچا کو اس وقت ایسا ہی نہیں چھوڑنا چاہتا۔ یہ وہاں کو رہیں گے۔“ افسر علی کے سچے میں عجب سی لہجہ تھی۔

”تو پھر اگر ان کے نوٹس میں وہ سب کچھ آ جانا چاہئے جو بعد میں ان کے لئے بہت بڑا مسئلہ بن سکتا ہے۔ تم بہت سے کام لو۔ ایسے اگر تم ہاؤسنگ نہ کرو تو مجھے تو بڑا بتاؤ۔ کیا بات جنہیں اتنا شرب کر رہی ہے؟“ فرحان نے بڑی اہمیت سے پوچھا۔

”کیا بتاؤں یار۔ ایسا اے نا تم دو قسم کے کلچر کو پنانے والے لوگ جن کو اپنی منزل کا میں پتا۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ترقی یافتہ ملک کی تہذیب اپنا کردہ ترقی یافتہ کہنا ہے۔ تیس گئے۔ ترقی یافتہ ملک میں رہ کر وہاں قانون کی دھجیاں بکھیر کر دکھاؤ گے۔ تہذیب کا فرق پتہ چل جائے۔ وہاں شیئر ہوم (Shelter Home) بہت ہیں۔ وہ ہاؤس ہوتے ہیں۔ بے روزگاری، دس ہوتا ہے۔ معذوروں سے سیلانیز اور الاؤنس ہوتے ہیں۔ قانون کی پاسداری ہے۔ انسانی حقوق کا تحفظ ہے۔۔۔ بندے کو کسی نہ کسی طرح پناہ تو ہے۔“

”یہاں اگر عورت بے ماں ہو جائے تو صرف ڈوبنے کے سہ سند رہے۔“

پیر کنڈری، لف زار نے اسے حد تو کوئی عورت ایسی ہی ہوم میں نہیں رہ سکتی۔“ افسر علی نہایت تلخ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”لیکن تم کسی کے ٹھکاندار بھی نہیں ہو۔۔۔ جنہیں کیا کوئی محل میں رہے یا اپنے کارناموں کے ہاتھوں کسی ایسی ہی ہوم میں پہنچ جائے؟“ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ تم یوں اتنے ٹینس ہو رہے ہو؟ جس ڈھب کی عورت ہوتی ہے اسے اسی طرح کے مرد کے

ساتھ رہ کر خوشی ہوتی ہے۔ اور غلط بندہ بھی غلط عورت کو ابھواسے کرتا ہے۔ اللہ نے تو قرآن میں کہہ ہی دیا ہے کہ زانی نکاح نہیں کرتا بجز رانیہ کے اور رانیہ نکاح نہیں کرتی بجز زانی کے۔ تم اپنے کیرئیر پر توجہ دو۔ کن چکروں میں پڑ گئے ہو؟ یہ تمام حرکتیں تو آج کل میں پیشیں ہل جاتی ہیں۔ تمہارے خیالات پر توجہ دینے والا یہاں کوئی نہیں۔“

”حد ہو گئی یار۔ میں سمجھا پتہ نہیں کیا مسئلہ ہے۔“ فرحان نے گویا اس کی حرکت پر سر جھٹا تھا۔

”یہ بات نہیں یار۔ بات صرف آزاد خیالی کی نہیں ہے۔ مجھے ملتا ہے یعنی کریمیل لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔“ افسر علی اچکاچاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”گلتا ہے ناں؟ کوئی ثبوت تو نہیں ہے؟ تم ایسے کرو چہے سولڈ پروف حاصل کرو۔ پھر فوراً اپنے چچی جان کے نوٹس میں سے آؤ۔ بس یہی حل ہے جنہیں انصاف میں غم کرنے کی ضرورت نہیں۔“ فرحان نے بظاہر گھبر سے مسئلے کو چٹکیوں میں اڑا دیا۔ جس کا نفسیاتی اثر بہر حال افسر علی پر نظر آنے لگا۔ اس نے بہت جلد خود کو سنبھال لیا۔

● ● ●

ٹوٹو کو فیملی کے ساتھ کسی فکشن میں جانا تھا۔ وہ صرف حجازی کو اس کے گھر کا راستہ دکھانے اور بیٹی کو چپک کرنے آئی تھی۔ راستے میں اسے حجازی نے اس کی منزل پر ڈرپ کر دیا تھا اور بیٹی اس کے ساتھ سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

مصطفیٰ نے پانچ منٹ کی ڈرائیو کے بعد شوق شروع کر دیا تھا۔ یعنی کو حیرت سی ہوئی۔

”آپ کا چھاتے ہوئے بھی“ اس نے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔ زندگی خطرے میں گھری نظر آئے تو عورت سے کام لینا مشکل ہو جاتا ہے۔

”لاہنگ ڈرائیو کا مزہ آ جاتا ہے سوئیٹ ہارٹ۔“ مصطفیٰ حجازی مستی کی آبی

منزموں کو چھو چکا تھا جہاں احتیاط سماعت بھی جاتی ہے۔

”نیکس یہ تو ذرا نیوٹنگ کے رولز کے خلاف ہے۔“ میکی جی بڑی ہو کر بولی۔

”ہاں... ہاں... اوروں...؟ اور میری انوسٹ رینگی...“

کا جملہ بہت اچھا لگتا تھا۔

”کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا...؟“ میکی شپٹاسی گئی اور ہونٹوں کی طرف اشارہ کیا۔

”اُوہ تو... اتمام خوفزدہ لوگ اسی طرح کی باتیں کرتے ہیں تو پراہم

ٹھیک ہو چکی۔“ جی ری نے تیری سے موڑ کاٹتے ہوئے اپروٹی سے کہا۔

یعنی کچھ دیر نا بھی رہی۔ بلاوجہ سامنے دیکھتی رہی جیسے بالکل خالی ہڈی ہو گئی ہو۔

پھر کچھ توقف کے بعد اس نے خد پر قابو پا کر ٹوٹو کی باتیں شروع کر دیں۔

”ٹوٹو دوست بنانے میں بڑی ایکسپریٹ ہے۔ بھی تازہ تازہ دو دوست

کی تھی دراتے ہی آپ کو دوست بنایا۔ بڑی لگی ہے ٹوٹو۔“ میکی کو ٹوٹو کی لک پر

رشتہ کیا۔

”ہاں... اُوہ مجھ سے بھی اپنے نئے دوستوں کی باتیں کرتی ہے۔“

Warm ہے اس میں بڑے گیش ہیں۔“ جی ری نے بھی ٹوٹو کی تعریف کی۔

یعنی ایک ہم الجھن میں پڑ گئی۔ اس کے لئے یہ بڑے تعجب کی بات تھی کہ جی ری

ٹوٹا سے دوستوں سے کوئی چیلنج نہیں تھی اور وہ مکمل طور پر پانچہ تھا۔

”وہ... آپ کو ٹوٹو سے دوستوں سے کوئی جیسی فیمل نہیں ہوتی۔“ با آخر وہ پانی

بنا رہ نہ گئی۔

”ٹوٹو میری پر پڑی نہیں ہے۔ وہ میری دوست ہے۔ ہم ایک دوسرے

کپنی نبھاتے کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو بہت خوش رکھتا ہے۔“

بہت سارے دوست بناؤں تو میں تم سے دوستی ختم نہیں کر سکتا۔“

دوستی کے معنی بھی ٹوسپیٹ ہارٹ...“ جی ری نے بازو پھیل کر یعنی کو اپنے قریب کر لیا اور اس کے

کرو... کم آں...“

بازو پر مڑی سے بوسہ دیا۔

یعنی کو جھرجھری سی گئی اور جی ری کو کینٹر مد لئے کے لئے اپنا بازو میکی کے وجود سے

بٹا پڑا۔ اگر وہ نہ ہوتا تو شاید میکی گھبرا کر خود ہٹا دیتی۔ بہر حال جی ری کے عمل سے اس

کی کمزوری پر پردہ پڑا رہ گیا۔

”چھوڑو یہ باتیں جو تمہارے درمیان نہیں ہیں ہم ان کو ٹاپک بنا کر اپنا

جو بصورت وقت کیوں ضائع کریں؟ تم یہ بتاؤ ایک دم سے دو سو سال پرانی دہسکی

(Whisky) کا مزہ کیا رہا؟ یہ بہت قیمتی اور نایاب ہوتی ہے۔ بہت تلاش کے

بعد ہاتھ لگتی ہے۔ میں نے دو پیگ تم پر قربان کر دیئے کیا یاد کرو گی۔“ جی ری نے

بڑے شہادت انداز میں مسکرا کر کہا۔

”اُوہ...“ اسکی یاد دلایا۔ رات میں نے بڑا اہم ٹکی ریسک لیا۔“ میکی کے تاثرات

آگاہانہ تبدیل ہو گئے۔

”مرواد یا تمہارے آپ لوگوں نے رات مجھے میں تو شاید بیہوش ہو گئی تھی؟“ وہ

اپنے حافظے پر زور ڈالنے لگی۔

”سی گرل“ بغیر ٹکٹ کے جنت کی سیر کرائی اسے تم بیہوش ہونا کہتی

ہو...؟“ جی ری نے بہت ماسٹر کرتے ہوئے کہا۔

”بہت اسلٹ کی ہے تم نے لائف سیونگ مشروب کی آج تمہیں چار میگز کی

سزا ہو گی ورنہ دوستی ختم۔“ جی ری نے دھمکی دی۔

یعنی نے گھبرا کر جی ری کی صورت دیکھی۔ غالباً اب اسے چڑھنے لگی تھی۔ وہ اپنے

ہاتھ ایک دوسرے سے مسے رگڑنے لگی اور ہچکچاتے ہوئے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔

”وہ آپ میری بات...“

"آپ..... آپ..... کیا مطلب ہے...؟ تم اپنے قار سے ہیں، بات کر رہی ہو۔"

"میری جان..... ادل کھول کر جو ملے سے بات کرو۔ کتنی پیاری ہو تم۔
تھوڑی تھوڑی موٹی سی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ پیا کرنے کا حشرہ تھا ہے
نرم فوم کی گڑیا جیسی۔ سلیم ہونے کے چکر میں لڑکی بڈیوں کا ہار بن کر رہ جاتی ہے
مجھے بند پر بڈیوں کا ڈھیر دیکھ کر بہت کوفت ہوتی ہے۔ بڑی پرفیکٹ (Growth)
ہے تھہری۔ میں ٹوٹو کا بہت تھینک فل ہوں۔ بہت مطلب
دست دی ہے۔ میں نے مجھے سکی ایم سوچی۔"

اس نے کار تبتا سناٹے میں ایک طرف کو روک کر بوتل خالی کر دی اور باہر اچھال
دی۔

مٹی نے بری طرح خوفزدہ ہو کر جازی کی صورت لگی۔

"کیا مارنے کے لئے لائے ہو تم.....؟ ہٹو..... میں ڈرائیو کرتی ہوں۔" وہ اپنی
طرف کا دھڑکھوں کر اترنے لگی۔

جازی نے اس کا بازو دبوج کر نیچے اترنے سے روکا۔

"رام سے منجو۔ میں تمہاری کمپنی کو انجوائے کر رہا ہوں..... اس وقت میں
نوٹلی ان (In) ہوں۔ کریں پریٹ کر سکتا ہوں۔ اس فور وہیل کی کیا حیثیت
ہے.....؟" وہ مٹی کی طرف دیکھے بغیر بڑے اعتماد سے کہہ رہا تھا۔

"چڑیا کا بچہ نئے نئے پر کاٹتا ہے تو اس کی لسی ہی حاست ہوتی ہے۔ تمہیں رش
میں مار پڑ کر کے دکھاؤ۔" جازی نے لے ہاتھوں چینیج بھی کر دیا۔

"ٹھیکس۔ اس ایسے ہی ٹھیک ہے۔" مٹی نے دیکھ کر یوں اس کا بازو تھما

گویا اسے رش میں جانے سے روک رہی ہو۔

"میں چڑیا کا بچہ نہیں ہوں۔ کبھی ج پڑھ چکی ہوں۔ بہت مالدار باپ کی بیٹی

ہوں۔ بہت مرت وور میر لائی کیا ہے۔ میری پینٹل، دیکھو لڑکی شا چنگ باہر ہوتی
فل فیسٹیو کے ساتھ رہتی ہوں۔ اس لئے زندگی سے بہت زیادہ پیار ہے
کم و کم اتنی بری موت نہیں مرنے چاہتی اور ہاں آئندہ مجھے موٹی ووتی مت کہنا۔ صرف
پریش کہنا۔" مٹی نے بہت ہی ماسٹڈ کیا تھا۔ مار سے غصے کے مناسب الفاظ بھی نہیں مل
رہے تھے۔

"او۔ کے۔ او۔ کے۔" میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔ تم تو میری لائف
اشیم بڑھارہی ہو۔ شاید جدی ہی میرا آئیجن سلنڈر بن جاؤ۔ میری کیوٹ سی فوم
کی گڑیا۔"

"پراس۔ آئندہ موٹی فٹنی نہیں کہوں گا۔ بس فوم کی گڑیا کہہ کر دوں گا
مالی گاڈ۔ تم اتنا ماسٹڈ کرتی ہو؟ فار گاڈ سیک۔ تم کبھی شادی کرنے کی
جوفناک غلطی نہ کرنا ورنہ تمہیں بہت حد ڈو ورس پیپر ز سائن کرنا پڑیں گے۔ تم بہت
جنگرا کرنے والی لڑکی ہو۔ تو یہ تو یہ۔ میں دوستی میں بہر حال برداشت کر لوں گا بلکہ
تمہیں ٹھیک کر دوں گا۔ ڈونٹ وری۔ اویسے ڈارلنگ..... باپ کے مال پر پراؤڈ
فیل نہیں کرتے..... یہ سائلے باپ لوگ..... خیر تم اپنا موڈ ٹھیک کرو..... ہم رونے کے
لئے پیدا نہیں ہوئے۔ لائف انجوائے کرتے کے لئے آئے ہیں۔" یہ کہہ کر جازی نے
پھر کار آسٹارٹ کی اور آگے بڑھائی۔ کار ایک لمحے کو ہرائی۔ جازی نے بڑی مشقتی سے
کنٹرول کی۔ اندر مٹی لہرا کر رہ گئی۔

"پیزر، مصطفیٰ، ایک کیئر۔" اس نے گھبرا کر جیسے منت کی۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کار میں نہیں راز شپ میں بیٹھی ہو۔ اچھا بتاؤ
پاکستانی گانا سنو گی یا انڈین یا انگلش۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹنس اسٹ پٹ کرنا
شروع کیں۔

"اوہ پلیز۔ اکوٹی ساگک کوئی میوزک نہیں۔ بس باتیں کرو مجھ سے۔" مٹی

نے بے ساختہ اسے روکا۔

ہر تہائی کار میں میورک گا کر تھمے گا تو اس نے خوفزدہ سی ہو کر سہاڑا۔
 "تم تو کہہ رہے کہ بہت اچھا ڈر کریں گے مگر تم تو..." یہی کچھ کہتے سنتے رہے۔

"ہاں تو یہ ڈر کی تیاری ہی تو کی ہے۔۔۔ یہ سب ڈر سے پہلے ہی تو ہوتا ہے
 تہہ رہے سنے بھی اسٹیشنری رکھی ہے ہونٹ کی فیل پر تھیں پیش کروں گا بھی
 کل تم نے بہت گڑبڑ کی تھی۔۔۔ جیسے مت کرنا تم تو کسی کام ہی کی نہیں رہیں
 مجھے دیکھو کتنی شہنشاہی ڈر کر رہا ہوں۔" حجازی نے بڑے اعتماد اور عرو سے کہا۔
 "کیرے پیسج کرو" تم بھوں گئے ہو؟" یعنی نے اسے شرمندہ کر کے
 کوشش کی۔

"میں نہیں بھول کار تھر ڈیٹر میں ٹھیک جا رہی ہے ڈر کے بعد ہم نو تھر ڈر
 انجوائے کریں گے ایک دوسرے کی کمپنی بنجئے کریں گے دیکھو کبھی میں
 یہ میں ہونے کی ضرورت نہیں بعض لڑکیاں بڑی اسٹوڈنٹ ہوتی ہیں میں
 ایک انڈین دوست بنانی تھی تین مہینے بعد ہی وہ مجھے کپچر کرنے لگی کہ میں expect
 کر رہی ہوں میں نے کہا تو پھر میں کیا کروں؟ دوستی کرتی ہو تو اپنا خدیں بھی رہ
 کرو یہ میرا ہیڈک نہیں ہے کہنے لگی ہم شادی کر بیٹے ہیں مائی گاڈ
 قدر بے وقوف تھی۔" حجازی نے ایک مے کو آنکھیں بند کر کے سراہر دھڑل کر لڑکی کی
 بے وقوفی پر ماتم کیا۔

"پھر کیا ہوا۔۔۔؟" یعنی نے اشتیاق سے پوچھا۔

"کیا ہوا؟ یہ تو اس اسٹوڈنٹ کو پتہ ہوگا میں نے تو گڈ بائے کہا اور ایک بچے
 کے لئے اپنے ماموں کے پاس جا رڈن چلا گیا ڈسٹرب ہو گیا تھا ناں ریڈیکس
 ہونا چاہتا تھا۔" حجازی نے وضاحت کرنے کے انداز میں جواب دیا۔

"پھر اس کا کیا ہوا؟" کوئی ٹکٹ تو کیا ہو گا ناں تم سے؟
 سوالات کئے جا رہی تھی۔ اس کو برڈن نہیں بنانا چاہئے مجھے نیچے پیدا کرنے
 دوستی دوستی ہوتی ہے انچوس کی ذمہ داریاں قبول کروں گا ان
 ہوں گے تو میں پورے چیل شادی کروں گا وہ اپنے ناموں کے ساتھ میری کاسٹ پوز
 کو بہترین اور آئرلینڈ ٹیٹلز بناؤں گا ہانسس یہ کیسے کنفرم ہو گا کہ وہ میرا
 کریں گے I'll League بچہ اسٹوڈنٹ لڑکی کی وجہ سے I.S.A. جا کر لیٹ کر اؤں
 اب میں ایک اسٹوڈنٹ لڑکی کی دولت کے چکر میں یہ کیسے کھیلا تھا۔"

"میرا خیال ہے اس نے میری دولت کے چکر میں یہ کیسے کھیلا تھا۔"
 حجازی کی آواز اور آنکھوں سے نیند کا تاثر پیدا ہو چکا تھا لیکن یعنی مگر بے خیال کی
 وجہ سے ٹولس نہیں لے پائی تھی۔ وہ اس وقت اس اسٹوڈنٹ لڑکی کی امدادی میں سر تاپا ڈوبی
 ہوئی تھی۔ سوچ رہی تھی بہت برا ہوا بچاری کے ساتھ۔

"اپنی ہر دوست سے کہتا ہوں تمہیں بھی کہہ رہا ہوں دوستی کو برڈن بنانے کی
 ضرورت نہیں ورنہ میں دوستی کتنی نیو نہیں کر سکوں گا اگر تم نے مجھے خوش اور ایذا کی رکھا
 تو۔۔۔ سو تیر میں تمہیں سال میں دو مرتبہ نیا گرا دکھانے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا
 ٹاپنگ سمیت سارے ایکسپینسز میرے کریڈٹ کارڈ سے ہوں گے۔" حجازی خاصا
 بہک رہا تھا۔

"اور نوٹو؟" معاً یعنی کو خیال آیا اس کی اصل دولت تو نوٹو ہے۔ یہ مجھے کیوں
 ساتھ لے کر جانے گا؟ اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"کیا تم دونوں میرے ساتھ نہیں جا سکتیں؟" حجازی نے اپنی ادھ کھلی آنکھیں
 پوری کھولنے کی کوشش کی۔ لہجے میں بلا کا تعجب تھا۔

"وہ انٹیک ہے او۔۔۔ کے او۔۔۔ کے؟" یعنی نے جیسے بات سمجھ
 لی۔

”تمہارا پاپہ سہورٹ تو ریڈی ہے ناں؟“ بھاری سہ پچھا۔
 ”میرا پاپہ سہورٹ ہمیشہ ریڈی ہوتا ہے۔“ یعنی نے بے نیازی سے جواب دیا۔
 ”گڈ... اس کا مطلب ہے ہم جب مرضی فائی کر سکتے ہیں۔“ بھاری نے
 زبردستی نکلیں پھر ڈکڑہن سے شمار کا پردہ ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے یعنی بولنا
 دی۔

”لیکن میں اپنے پیرتس کو کیسے کنوئس کروں گی؟“ ایک حسین ڈنکا کا
 کرتے کرتے یعنی پر پھر اسی طاری ہونے لگی۔

”یہ تمہارا ہیڈک ہے۔۔۔ لائف میں پیسج لانا ہے تو بہت بولڈ لی اسٹیپ لینا ہوگا۔“
 بھاری نے بڑے بے رحم لہجے میں جواب دیا۔

یعنی اپنی ہتھیلیوں پر نظریں جھا کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

♦ ♦ ♦

نور خان یعنی کو دیئے ہوئے ٹائم سے دس منٹ پہلے ہی لینے پہنچ چکا تھا اور مس کا
 وے دی تھی۔

رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ ماحول پر خاموشی کا تاثر واضح تھا۔ وقفے وقفے
 سے لوگ آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ گاہے گاہے پارکنگ لائٹ سے ہارن کی آواز
 سنائی دے رہی تھیں۔ سانی آواز بہت کہیں سے نہیں آ رہی تھی۔

وہ فرنٹ ڈور سے پشت نکا کر یعنی کا انتظار کرنے لگا۔

تقریباً بیس منٹ کے صبر آزا انتظار کے بعد یعنی ایک نو جوان کا بازو تھا سے باہر
 آتی نظر آئی۔ نور خان الٹ ہو گیا۔

یعنی کا پارٹی دیڑ پرک نو جوان کے ہاتھ میں تھا۔ یعنی قریب آئی تو نور خان نے
 اس کی طرف دیکھے بغیر پچھلا ڈور کھول دیا۔

یعنی گرنے کے انداز میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ نو جوان نے اس کا پرس اس کی گود

میں رکھا اور تنک کر بیسی کو بٹے کہا۔ یعنی نے بمشکل ہاتھ اٹھ کر جواب دیا ”خدا حافظ“
 ”ایک کینٹر اور اخیس سے“ یہ کہہ کر وہ نور خان کی طرف متوجہ ہوا۔
 ”شوٹر“ اور اس کے ”

بچہ ٹیک نہیں ہے“ نور خان نے اپنی کیپ چھو کر سلیوٹ کے انداز میں متوجہ ہوا۔
 ”میں سر“ ”گڈ لک“ ”یہ کہہ کر بھاری نے اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔
 ”گڈ ٹائم“ ”نور خان نے جاتے ہوئے بھاری پر ایک چبھتی ہوئی ناقدانہ نظر ڈالی۔

نور خان نے جاتے ہوئے بھاری پر ایک چبھتی ہوئی ناقدانہ نظر ڈالی۔
 ”ہونہ“ ”اشرلی سلا“ ”ابھی گڈی چڑھی ہوئی ہے تیری“ ”گڈ گاتیرے“
 ”جگر کا پیاری لگے گا“ ”پھر تیرے کو صرف گلو کوڑ کا بوتل ملے گا“ ”چھو کر“
 ”آپ“ ”وہ دل ہی دل میں کہتا جھلکا ڈرا یونگ سیٹ پر آ گیا۔

لوگ جواب کرتا ہے سارا“ ”وہ دل ہی دل میں کہتا جھلکا ڈرا یونگ سیٹ پر آ گیا۔
 ”دور بند کرتے ہوئے اس نے پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی یعنی کا سر میں جاتہ لیا۔
 ”چپس مس صاحبہ“ ”اس نے کنکیشن میں چابی جھمکاتے ہوئے اجازت

پائی۔“ ”تو کیا تو ابھی تک رکا ہوا ہے؟“ ”بھڑی“ ”ابشر“ ”اب کیا اپنی ماں کا

انتظار کر رہا ہے؟“ ”یعنی نے بے بھادگی شروع کر دی۔
 ”اداماں بہت نیک عورت ہے“ ”اس کو بیچ میں مت لاؤ مس صاحبہ“ ”جو

”اداماں بہت نیک عورت ہے“ ”اس کو بیچ میں مت لاؤ مس صاحبہ“ ”جو
 ”اداماں بہت نیک عورت ہے“ ”اس کو بیچ میں مت لاؤ مس صاحبہ“ ”جو
 ”اداماں بہت نیک عورت ہے“ ”اس کو بیچ میں مت لاؤ مس صاحبہ“ ”جو

♦ ♦ ♦

”اداماں بہت نیک عورت ہے“ ”اس کو بیچ میں مت لاؤ مس صاحبہ“ ”جو
 ”اداماں بہت نیک عورت ہے“ ”اس کو بیچ میں مت لاؤ مس صاحبہ“ ”جو
 ”اداماں بہت نیک عورت ہے“ ”اس کو بیچ میں مت لاؤ مس صاحبہ“ ”جو

ایک انجانا سا اندیشہ وجود میں سرسراہٹ ہی پیدا کرے گا۔ وہ یہ۔
 ہندو کے کچھ سوچنے کے بعد کھڑی کے قریب آ کر پروردگار کا کربا بھانپ کر
 کی نئی دور وہاں سب پارٹی میں کھڑی تھیں لیکن سوراہینو غائب تھی۔ گویا میں
 واپس نہیں آئی تھی۔ اسے اپنے پیارے بچا پر رحم آنے لگا۔ بیوی خود سر تھی مگر
 کنٹرول میں ہوتی۔ اس نے بہت ڈکھ سے سوچا۔

اسے چچی کے الفاظ یاد آئے۔ وہ خاصا چھوٹا تھا۔ چچی چچی کا کسی بات پر
 شروع ہو گیا۔ چچی سے چچی کو قطعہ ہار تھا۔

”ہونہ۔۔۔ اتم تو شکل ہی سے ”ملل کلاسیہ“ لگتے ہو لکڑیوں لاف۔
 تمہاری شکل میں کوئی تبدیلی نہیں کی بس رنگ ہر وقت سے۔ سی میں رہنے میں
 کچھ صاف ہو گیا ہے۔“

”یہ ظاہر ہا فرق کیا ہے“ وہ سوچے گا۔

”کیا فلاس بدل جانے سے نیچر میں جاتی ہے؟ پارسل و درخت کے
 میں جاتے ہیں؟ جدات باقی نہیں رہتے؟ انسان مشین بن جاتا ہے
 حوش و غم کے معنی بدل جاتے ہیں۔؟ فطری تقاضے روح میں اترنا بند ہو جاتے
 ہیں۔؟ پھر پیسے والا بندہ شادی کیوں کرتا ہے۔؟ بیمار کیوں ہوتا ہے؟ بیمار
 بھی جان لیا۔۔۔ پھر۔۔۔ کینسر۔۔۔ فچولہ۔۔۔ ہارٹ ٹریبل۔۔۔ کلاس بدلتی سے نیچر تو
 بدلتی۔۔؟ فطرت کے اصول تو ازل ہی ہیں۔۔۔ سائنس کتنی ترقی کر جائے سورن کے
 ڈوے کی مشینیں میں سنی سمسدری طوقاں نہیں روک سکتی۔۔۔ زلزلے نہیں۔
 کتنی حیرت ہے کہ سان فطرت کو نظر نہ کرے کا حوصلہ کیونکر کر لیتا ہے
 سو ہا ہر بات ایک طرف رکھ کر اپنے سوال اتے عمار سے کیسے جمع کر رہا ہے
 موت سے بارمان لینے والا انسان اتنا غم کیسے ہوتا ہے؟ فلاس بدلنے سے
 عبادت دینی سے ارتو کچھ نہیں ملتا۔ وہ کچھ کچھ سوچ پیا تھا کہ گیت کار کی ہند

ت چنک تھا۔

سے اس بات پر حیرت ہوئی کہ نور خان نے ماں میں جو پوہتہ یکہ مت۔
 وقت کے بعد دواج میں اپنے چیمبر سے باہر آ کر گیت کھولنے لگا۔
 رید میٹر کار جیسے دسے پاؤں پورچ میں آ کر ٹھہر گئی۔ نور خان بڑی پھرتی سے
 دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

دواج میں گیت لڑک کر رہا تھا۔

نور خان نے پچھلے ذور کھوں کر جھٹ کر کچھ کہا۔ فسر علی نے دیکھا نور خان کے
 ہتھ کار کے اندر مگے اور جیسے کھینچ تان سی شروع ہو گئی۔

افسر علی اب مزید رک کر نظارہ کرنے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔

وہ کھڑکی سے ہٹا اور بیوی تیری سے اپنے کمرے سے نکل کر بھاگنے کے امداد میں

زیند اتر کر پورچ میں آیا۔

”کیا مسئلہ ہے نور خان“ اس نے نور خان کے سر پر ہتھ کر تھکات پوچھا۔

نور خان ایک ام خوفزدہ سا ہو کر سیدھا ہو گیا۔ پہلے ایک نظر افسر علی پر ڈالی ورنی
 کوٹھی کے اندر وئی حصے پر۔

”صاحب“ اس صبح کو اندر بند روم میں پہنچا ہے اس کا طبیعت
 اچھا نہیں ہے۔“ وہ جلدی سے وضاحت کرنے لگا۔

”اوہ“ کیا ہوا اس کی طبیعت کو؟ کہاں سے پک گیا ہے؟“ اس نے
 جھک کر بیٹھی کا جائزہ لیتے ہوئے ایک تواتر سے سوالات کئے۔

”اسے پک یا ہے۔“ نور خان بہت ٹینشن میں تھی تھا کچھ۔
 نوکری کو خطرہ۔۔۔ نہ بولے تو کیا کرے۔

”چھ“ نور خان کو قانع کرے میں ستری تھی ورنی تو۔۔۔ بے گار۔
 نور خان کو قانع کرے میں ستری تھی ورنی تو۔۔۔ بے گار۔

”یعنی اسکو انھو بھی باہر نکلو سے۔ کی بند ہو گیا۔“
تمہیں گری نہیں لگ رہی؟ ہری پ ”

”کیا بکلی فیل ہو گئی ہے؟“ اے۔ کی کیوں بند ہو گیا ہے؟
سارٹ کرو۔ ”یہی نے غنودگی کی کیفیت میں جھڑا کر کہا۔“

”وہ بھی اتھارہ کی کار کا ہے۔ کی بند ہو گیا ہے اپنے بیڈ کا اس۔“
کر سو جاؤ۔۔۔ یہاں کب تک بیٹھی رہو گی۔۔۔؟ گیت آپ ہری پ پلیر
نور خان ابھی تک کھڑا یہ دلچسپ کمراد سن رہا تھا۔ افسر علی نے سیدھا ہو کر اس
طرف گھور کر دیکھا۔

”اوہ بھی“ جاتے کیوں نہیں۔۔۔؟ تمہاری مزید خدمات کی ضرورت نہیں
ہے۔“

نور خان گھبرا گیا اور پھر گویا سر پر پاؤں رکھ کر کوادرٹر کی طرف دوڑا۔

افسر علی سے یہی کا بازو پوری قوت سے کھینچ کر اسے باہر نکالا پھر دونوں ہاتھوں
سے اسے سنبھال۔ ایک تیر چبھتی ہوئی ناگوری بونے اس کے عصاب میں طوفان برپا
کر دیا۔

”میرے خدایا“ ڈاکھ کی ایک ہر افسر علی کا جگر چیرتی گزر گئی۔

اس نے یہی کو بٹھل سنبھال کر ڈور بہت ہتھلی سے بند کیا اور گویا اسے گھسیٹتا ہوا
کے بڑھال ساتھ ہی اسے متوجہ کرنے کی کوشش کرنے کا تاکہ پنا کچھ تو وہ جھ سنبھالے
”یہی“ کیا ہوا ہے تمہیں۔۔۔؟ ٹھیک سے چلو۔۔۔ ابھی تم نے اسٹیپ بھی
چھٹا نہیں پنے بند رام میں حاسے کے لئے سیدھی کھڑی ہو بوق کیاں نہیں
ہو۔۔۔ اوہ اس کے رخسار پر درد سے تھپکانے لگا۔

”جی رہی“ میں پل نہیں نکلتی پلیر ”مجھے اٹھا لو“ کیا اچھا بیل جیہ
نہیں ہے؟“ اتنی رو سے نیند ہی سے اس چارہ رہا ہے یہیں سو پاؤں کی

میں یہاں سو سکتی ہوں۔“
اسر علی نے بے کسی سے یہی کا چہرہ دیکھا اور اسے بار بار میں تھکر کر حسیط سے پٹے

کا ”جھاڑی“ میں کہہ رہی ہوں ناں ”مجھے نیند آرہی ہے تم مجھے کہاں

سے کر جا رہے ہو؟“ پلیر ”میں ب کہیں نہیں جاؤں گی میں نے تمہارے

دراگٹ سے ہینڈ ریڈڈ اور رکالے تھے وہ تمہاں سے بس مجھے سونے دو
پلیر جی رہی ”وہ آٹک آٹک کر یوں رہی تھی اور افسر علی کی آنکھوں میں نمی کی اتر رہی
تھی۔“

وہ بٹھل اسے بیڈ تک لے گیا تھا۔ اسے بستر پر ڈال کر اس کے پاؤں سینڈل سے تراو

کے پھر اسپٹ چد کھڑکیاں چیک کیں کہ کوئی پٹ کھلا ہوا تو نہیں ہے۔ مطمئن ہو کر ایک
شکری نگاہ یہی پر ڈال ورٹائنٹ بٹ بھی آف کر دیا۔

ایک دم اسے خیال آیا کہ یہی کا پرس تو کار ہی میں رہ گیا ہے۔ وہ اس میں

”ہینڈ ریڈڈ الرز“ دیکھے کا خواہش مند ہو گیا۔ یہ جاننے کے لئے کہ کیا لوگ اس حالت
میں ”سچ“ بولتے ہیں۔

وہ بڑی تیزی سے کار تک آیا۔ پچھلے دور تو یہاں بھی لاکڈ نہیں تھا۔ اس نے بار

کھول کر سیٹ سے پرس اٹھایا اور پورچ کی مدد ہم روشنی میں پرس کھول کر جانچا۔ یہی گار

پاکستانی کری کے درمیان واقعی ایک مڑٹرا ڈار پڑا ہوا تھا۔
”اوہ گاڈ“ یہی تو ایک دم کریمٹل ہو گئی ہے۔“ اسے بہت اٹھ سو تھا۔

”پاکش“ رار اپنے شوق پر سے پا کرے گی
وہ شلت قدموں سے پھر یہی کے بیڈ کی طرف بڑھا۔ ڈاکھ میں بوجھ کتا سوتا

ہے اپنے آپ کو سنبھال بٹھل ہوتا ہے۔
وہ بٹھل اس سے بند رہا میں پلیر ”ارے بیک پر اس کا پرس رکھ دیا اور اس کی طرف

دیکھے بغیر باہر نکل آیا۔ دروازہ بہت سہانگی سے بند کر دیا تھا۔

♦ ♦ ♦

تور خان کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا نام و نشان نہ تھا۔ اس کے اندر ہر طرف ٹراہو تھا۔ اپنے بستر پر لیٹا چھت کی طرف گھورے جا رہا تھا۔

”یہ تو بڑا اچھا نوکری مل گیا ہے۔ ام سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کھانا اچھا۔ صاف جیب میں موبائل ہر وقت ٹھنڈا موٹر۔“ اور اب وہ جیسے بے ترس اور آٹھ بیٹھا۔

”اچھا کھانا ہو تو پھر رات کو بیوی بھی ہونا چاہئے۔ یہ تمہائی تو بہت برا ہے ابھی ام کو تیسرا تنخواہ ملا ہے تو ماں کو بولے گا مارا شادی کرو۔ گلاب خان کو بولو پیسے کے پیچھے بیٹی کو فالتو میں بیٹھتا ہے۔ کیا نڈوں پر بیٹھا اے۔ چورہ لگا۔ گا۔ پولٹری فارم کھولے گا۔“ تور خان پر جھلاہٹ سوار ہونے لگی۔

”سارا عورت کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے۔“ اسے اپنے ہونے والے سر رہ رہ کر غصہ آنے لگا۔

”بہت لالچ والا آدمی ہے۔ اتنا مہنگائی میں دس تولہ سونا مانگا ہے۔“ وہ ہنسنے لگا۔

اسے شدید گرمی لگ رہی تھی۔ پٹکے نے تو گویا ہو پھینک ہی بند کر دی تھی۔ وہ باہر لان میں چلا آیا۔ ایک بست میں اس نے اڑن بھری اور دوسری طرف مڑ گیا۔ تھوڑی دیر پہلے کے منظر ذہن کے پردے پر متحرک ہو گئے۔ وہ بڑے تجسس کے ساتھ ہینڈ کے قریب آیا اور پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی جو خالی تھی۔

”مطلب صاحب اٹھا کر لے گیا مس صاحبہ کو۔“ اب وہ یعنی کو بی بی کے پاس مس صاحبہ کہتا تھا۔ بی بی کہنے پر بھی نے اسے بہت لتاڑا تھا۔

”یہ بی بی کیا ہوتا ہے؟ ضعیفی ٹپک رہی ہے میری شکل پر؟ جنگلی

جہاں اس پر وہ میم خبردار اجو آئندہ بی بی کہا۔“

اب وہ فاحرہ خانم کو میم صاحبہ اور بی بی کو مس صاحبہ کہنے لگا تھا۔

”چانور بولتا ہے ام کو اور ام تم کو پچیس میں سے نو اور چانور کو چوبیس میں دیتا ہے۔“ بولو مارا کیا بگاڑتا اے؟

”آج تو افسر صاحب کو مزہ آگیا ہوگا۔“ اس کی سوچ آوارگی کی ذہول سے آلودہ ہونے لگی۔ شیطان آٹنگ آٹنگ میں مسکرانے لگا۔

”آج تو نہیں چوڑتا (چھوڑتا) باہر کا لوگ خوش ہوتا ہے ام تو گھر کا سوگ ہے بھی۔“

وہ بہت محتاط انداز میں آہستہ آہستہ زینہ طے کر رہا تھا۔ اُد پر پہنچ کر اس نے سب کمروں کے بند دروازوں کا جائزہ لیا۔ دل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ پکڑے جانے کی صورت میں روٹ روٹ سب ختم۔ پتلی وال چپائی اور جیل کی چکی۔

خوف سے زیادہ زور شیطان کی تھکی میں تھا۔ اس نے آہستگی سے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ خوشی سے حالت خیر ہو گئی۔ دروازہ

لاکڑ نہیں تھا۔ وہ پھرتی سے اندر داخل ہو گیا اور دروازہ ماکڈ کر دیا۔ فطرت اپنا استہزاء کرنے والوں سے زبردست انتقام کے سوڈ میں تھی۔ سورج نے

تو صبح مشرق ہی سے طلوع ہونا تھا لیکن؟

ایک دم کانٹس ہو کر سوچنے لگی کہ کیا وہ ہو سکتی ہے؟ جبکہ گزشتہ رات جب میں مدہوشی کے بعد جاگئی تھی تب تو اس قسم کی کانٹس کا احساس نہیں ہوا تھا۔
 ”کیا کل رات کچھ زیادہ ہی چڑھاؤ تھی؟“ وہ ذہن پر زور ڈال کر رات کے واقعات پر غور کرنے لگی۔ کچھ خاص یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ کسلندی سے جھپکی لے کر اٹھ بیٹھی اور چونک سی گئی پھر کچھ نیا سا محسوس ہوا تھا۔ اس کا دل جیسے کسی اچھوہ میں اترنے لگا۔

”یہ کیا ہے؟“ یہ سوال آمدنی گولوں کی طرح اس کے دماغ میں چکرانے لگا۔ خوف، وحشت، سراسیمگی، اعصابی نظام تلپٹ ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ بستر سے اترتے ہوئے گھبراہٹ تھی۔

”مصطفیٰ جی زکی اس سے حد سے زیادہ بے تکلف تو کسی وقت میں نہیں ہوا۔ اس نے تو بھی تک وہ چھوٹی سی بے تکلفی بھی نہیں کی جو اس ماحول میں رہنے بسنے والے روٹین کی بات سمجھتے ہیں۔ ابھی تو پرندے نے نئی نئی آڑیں بھری تھی ابھی تو اسے سبتوں کا بھی شعور نہیں تھا پھر؟“

ایک دم پتہ نہیں اس کا دل کیسے بھرتا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر بری طرح رو پڑی۔ حال حیلہ الٹرا مارن تھا۔ بنیاد تو دقینا تو سی تھی۔ دو تہذیبوں کی چٹکی کے دو بانوں کے درمیان بسنا کیا ہوتا ہے۔ وہ اس کی ذہنی حاست سے آشکار تھا۔ دماغ میں کسوٹی شروع ہو چکی تھی۔ اعصاب شکستہ تھے۔ وہ بے دم سی ہو کر دوبارہ بستر پر گر پڑی۔
 چند لمحوں خود پر قابو پانے میں گزرے پھر سمجھا اسے ٹوٹو کا حیلہ آیا۔ اس سے ہاتھ دھاکر بنا پرس اٹھنا چاہا تاکہ اپنا سونہاں دکاے مگر ہاتھ ادھرا ادھرا گھوم رہا تھا۔ اب اس نے ادھرا ادھر نظر دوڑائی تو پرس ڈریسنگ پر رکھا نظر آ گیا۔

ادھر ادھر کو کھینچتی ہوئی ڈریسنگ تک گئی اور پرس اٹھ کر بارہ بیڈ پر آگئی۔ پرس کھول کر ہاتھ دھوئی گئی۔ ہاتھ میں (10) ڈاکٹر کا نوٹ تھیا۔ وہ بڑی گھٹن بھری نظروں

”نور خان آدمے گھٹے بعد بچھی کے کمرے سے باہر آیا۔ اچھا خاصا پینہ بہہ رہا تھا۔ جرم کر چکنے کے بعد کی حوس باخنگی الگ تھی۔ اس نے چوروں کی طرح قدم بڑھاتے ہوئے تختہ طالعہ زمیں ادھر ادھر دیکھا اور زینہ اترنے لگا۔

پورچ میں کوئی ملی خواہ مخواہ ڈر کر بھاگی تو نور خان بدحواس ہو کر ایک کار کے ہانڈ کے سامنے چھپ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں سراسیمہ بیٹھا رہا پھر بلی کی میوؤں پر اپنی حاست پھونک کر کوستا ہوا اٹھا اور اپنے کوارٹر کی طرف چلا۔

کوارٹر کے دروازے کا پٹ وا کرتے کرتے اس کی کیفیت بد ہو چکی تھی۔ اب رات بدستون تھا۔ آنکھوں میں شراب اترنے لگا تھا۔ بستر پر آنکھیں موند کر پینے کے ماتمی سے نیند طاری ہونے لگی تھی۔ زندگی ایک دم سے نکم ہو گئی تھی۔ کسی کی د

♦♦♦

میں نے علی ایسک خود بخود آنکھ کھل گئی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی جسم میں شدید کانٹس

افسر علی حدف معصوم دو پہر ایک بجے ہی گھر واپس آ گیا تھا۔ کسی کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ ماں باپ کی شفقت سے محروم انسان یوں بھی غیر معمولی حساس اور کالش ہوتا ہے۔ قدم قدم پر چوکتا ہے۔ بات بات پر غور و فکر کرتا ہے۔ محتاط، گھبراہٹ سے جانچنے والا۔

وہ سہا ہوا، ہر شے کو مدد سے سے جانچنے والا۔ گھر میں تیار و واقعہ ظہور پذیر ہوا تھا اس کے حساب سے تو قیامت ہی تھی۔ ہر سہارا سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تھے۔ اوساں خلاء تھے۔ وہ تو کسی کام کا نہیں رہا تھا۔

تھوڑی سادقت پہنے کمرے میں گزر کر وہ نیچے آ گیا۔ بھوک پیاس بھی اڑ چکی تھی۔

وہ دس وقت کے خوف نے زندگی کی امانت ترک ہی ختم کر دی تھی۔ ایک شدید جذبہ کی قوت نے اسے ہد کر فاخرہ خانم کے بیڈ روم کی طرف دھکیل دیا۔ اس نے بلا ارادہ و شک دی تھی۔ خود کو معلوم نہیں تھا وہ کیا کہنے جا رہا ہے۔

”ہاں... اکون؟ آ جاؤ“ اندر سے فاخرہ خانم کی آواز آئی۔

وہ دروازہ پیش کر کے اندر داخل ہو گیا۔

فاخرہ خانم صوفے پر بیٹھی موبائل پر باتیں کر رہی تھیں۔ تنگ سا ٹراؤزر اور ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھیں جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ابھی ان کا گھر سے باہر نکلنے کا کوئی پروگرام نہیں۔

افسر علی کو دیکھتے ہی پیشانی پر ناگواری کی لکیریں کھینچ گئیں جو کہہ رہی تھیں کیوں آئے مرے ہو؟

”وہ چنگی جان! مجھے آپ سے ضروری بات کرنا ہے پہلے میں نے سوچا تھا کہ بچی جان سے بات کروں پھر خیال آیا کہ کوئی ہنگامہ برپا ہو سکتا ہے بہتر ہے خاموشی پر ایسویک میں آپ سے بات کروں۔“ وہ ہچکچاتے ہوئے نظریں جھکا کر خامے فاصلے سے بات کر رہا تھا۔

سے ڈالرز دیکھنے لگی اور سوچے لگی اس کے پرس میں 100 ڈالرز کہاں سے آئے؟ اس کے پاس تو صرف پاکستانی کرنسی تھی۔

اسے احساس ہوا یا دواشت نارل لائف گزارنے کے لئے کتنی ضروری ہے۔ ہر مرض تو انسان کو پاگل کر سکتا ہے۔ اس نے چند لمحوں تک ڈالر کو الٹ پلٹ کر دیکھا پھر ای طرح وہیں رکھ کر موبائل نکالا اور ٹوٹو کا نمبر ملنے لگی۔ ٹوٹو نے فوراً نیند کر لی۔

”ہیو! میری جان...! کیسی ہو...؟ میں تمہیں فون کرنے ہی والی تھی مگر تمہاری کل کی نچو سنٹ کی رپورٹ لوں... وہ تجاری کا بچہ تو دو پہر ایک بجے سے پلا سو نہیں اٹھے گا وہ سب کچھ بھول سکتا ہے مگر سونے سے پہلے اپنا سیل سوچ آف کر نہیں بھولتا... پتہ نہیں کتنے عیاش مرے تھے تو وہ پیدا ہوا تھا۔“ ٹوٹو ایک توار شروع ہوئی اور زبردست قہقہے کے بعد سانس لیا۔

یعنی سوچتی رہی جواب میں کیا بولے۔ ایک غم سا دل و دماغ پر چھایا ہو تھا۔ نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا تھا۔ قدرے سنجیدہ ہو کر بولی

”ہیو! کیا سوچنے میں؟ کن حسین ہیں؟ میں کھو گئیں؟“

”کچھ نہیں! کیا تم تھوڑی دیر سے یہاں میرے گھر آئے ہو؟ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔“ مینی نے تم سے انداز میں کہا۔

”ارے...! اتنی فاصلے کیوں ہو رہی ہو؟ تم جب کہو میں آ جاؤں گی۔“

نے بڑی شوخی سے جواب دیا۔

تو پھر بھی آ جاؤ! میں اپنے بیڈ روم میں ہوں... میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔“ اس نے یہ کہہ کر سیل آف کر دیا اور آنکھیں میو بند کر بیٹ گئی۔ سوچنے کے لئے تھا حسب کچھ یا ہی نہیں تھا۔

باب ۱۰۰ کیا کہانی سنانے آئے ہو؟ اس مرتبہ ان کے سیکرٹس کے ساتھ ساتھ رسالیت بھی تھی جو افسر علی کی اس سمجھداری پر اصرار تھی جس کا کام سے کر سنے کوئی متوقع ہنگامہ روکا تھا۔

ہاں تھیں ہاں ایک دم بھی کی طرف ہی گیا تھا کہ کریم بھی ہوگی کوئی حفاظت۔ اس لا پرواہیوں کو کبھی بھی دقتی کھٹک جاتی تھیں لیکن کسی اداوارہ نے گارجن سے بات نہ کی۔

”جی جی جان! مجھے لگتا ہے یعنی نے بند کبھی جو سن کر ہے اور

”لگتا ہے.....؟ کیا مطلب.....؟ کچھ پکڑا ہے.....؟ کوئی ثبوت ہے یا اپنی طرف بچہ کی طرح ہو میں تیر چلا رہا ہے؟“ وہ ”لگتا ہے“ پر ایک دم بھڑک اٹھیں۔

”میں دو دن سے اسے لیٹ آؤر میں بے ہوشی کی حالت میں اس کے بیلروم میں پہنچا رہا ہوں۔ ہاں سوری۔۔۔ اوہ پرسوں تو میں اسے کار سے باہر لانے میں ناکام ہو گیا تھا۔۔۔ پتہ نہیں وہ کب اٹھ کر بیڈروم میں گئی ہوگی۔“

فاخرہ خانم ہکا ہکا فسر علی کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

”بیہوشی کی حالت“ جیسے وہ کچھ سمجھ نہ پا رہی ہوں۔

”کیا مطلب ہے تہا؟“ انہوں نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر سوس کا پھر چلتی ہوئی افسر علی کے قریب آگئیں اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ جھنجھوڑتے ہوئے کہیں۔

”صاف صاف بات کرو کھا نہیں جاؤں گی تمہیں“

”جی“ وہ اس کے پاس سے بہت عجیب سی سہیل آتی ہے لگتا ہے۔

”وہ نہ تو رجز استہسا کرتی ہے۔“ بالآخر افسر علی نے کہا۔

فاخرہ خانم Stopped ہو کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھیں۔

سایہ کی طرف پٹائی، لڑائی، اگلوٹی اولاد، شوہر اور ساس تو ان کو نہیں چھوڑے۔

جی۔۔۔ نہ تو توجہ سے وہ شادی سے جانیں گی کہ کتنا پھٹ جائیں گے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ نہیں فسر علی کی شکل اچھی لگی۔ ایک دم سے نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا۔ چہرے پر کبھی لکیریں غائب ہو گئیں۔ چڑھی ہوئی ہانکھیں، تنی ہوئی ہنسیوں، بے ترتیب ٹکٹیں جیسے بھسے چہرے کو بگاڑتے رکھتی تھیں۔ اپنے ہی ہاتھوں اپنی شکل مسخ کر رہی تھی۔

اس وقت چہرے پر رری اتری تو افسر علی کو بھی اندازہ ہوا کہ چچی جان کی اچھی بھلی شکل ہے۔ وہ سب انہی کی طرف دیکھ رہا تھا اور ان کے ”ارشادات“ کا منتظر تھا۔

”دیکھو سر! اگلی یہ بات میرے اور تمہارے درمیان ہی رہنا چاہئے نہارے چچی ورنہ دادی کو بھٹک بھی نہیں پڑنا چاہئے میں اسے خاموشی سے داکرتی ہوں اگر تمہاری خبر درست نکلی تو میں تمہارا شکر یہ ادا کروں گی۔۔۔ دوسری صورت میں تم اس گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلے جاؤ گے۔“ بولتے بولتے وہ آخر میں جذباتی ہو گئیں کساتی بری خبر پر یقین بھی تو نہیں آ رہا تھا۔

”ٹھیک ہے جی جی جان! ایسا ہی ہوگا میں نے ایک فیملی ممبر ہونے کے

اٹنے ہی ورنہ داری پوری کی ہے میرا یعنی کے ساتھ کوئی کلکیش نہیں ہے میری Well Wishes اس کے ساتھ ہیں وہ کہیں بھی اچھی زندگی گزار رہی ہوگی تو

لئے یہ خوشی ہوگی۔“ افسر علی نے اب بڑے اعتماد سے بات کی۔

ذہن سے انتشار کے بادل ہٹ گئے تھے اور فاخرہ خانم کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔ فطری طور پر خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

”ٹھیک ہے“ میں دیکھوں گی اب تم ہنا کام کرو آج یونیورسٹی نہیں گئے؟“ فاخرہ خانم چند قدم چل کر صوفے پر دو بارہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

افسر علی ہلکا سا تہان کی طرف سے اپنا نیت کی لہریں آتی محسوس ہو گئیں۔

”کیا تھا؟“ وہ پریڈ ٹینڈ کر کے آگیا تھا۔“ افسر علی نے جواب دیا اور فاخرہ خانم

گواہا ہو چھوڑ کر ان کے کمرے سے نکل گیا۔

♦ ♦ ♦

فاخرہ خانم اسرطی کے کمرے سے باہر نکلتے ہی، ٹیکسو ہو گئیں۔ پتے چند سو دن پہلے جلدی جلدی مٹا کر کمرے سے ٹیکس اور پینے کے بیداروں کی طرف بڑھیں۔ انہوں نے دستک دینے کی زحمت بھی نہ کی۔ کسی حملہ آور کی طرح کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

یعنی جو ٹوٹے کے انتظار میں بار بار کھاک کی طرف دیکھ رہی تھی، اماں کو بڑی تیز سے اٹھ کر آ کر دیکھ کر چونک پڑی اور ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”کیا بات ہے؟“ طبیعت ٹھیک ہے؟“ اسی تک بندہ پر نظر آ رہی ہو۔
 ”اوہ اس کے سر پر کھڑی بہت غور سے اس کی شکل دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔“

بہی کے لئے تو اس کی ”مدعی غیر متوقع تھی۔ پریشانی ہو کر ان کی طرف دیکھ کر جیسے کچھ کھوج رہی ہو۔

”جی.....! ٹھیک ہوں میں..... بس پونجی سستی سی ہے۔ رات بہت تھک گئی تھی۔“
 ”اوہ! وہاں سے نظر چراتے ہوئے نارمل انداز میں جواب دے رہی تھی۔“
 ”رات کہاں تھیں؟ کوئی پارٹی وغیرہ تھی؟“ فاخرہ خانم نے جانچا۔
 ”نظر میں سے میرا اس کے سر پر کپڑے کا بازو ہے۔“

”بتاؤ تو تھا آپ کو کہ ٹوٹے کے ساتھ آواری میں ڈر کر رہا ہے۔ کچھ اور دوست

ہیں۔“

”جی، موقع ہوتا اور فاخرہ خانم پوچھ پڑتاں کرتیں تو، چڑ جاتی اور ٹھہر جاتی۔“
 ”جی، کچھ بھی کہہ کر ادھر ادھر ہو جاتی مگر اس وقت تو خود اندر سے ٹوٹی ہوئی تھی، سر پہ کسی مہاری غواہی کو بھی تھی۔ جواب میں کچھ زیادہ ہی تفصیل سے کام لے رہی تھی۔“

”جی، میں خود کچھ سمجھ رہی ہو۔“
 ”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“
 ”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“
 ”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“

”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“
 ”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“
 ”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“

”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“
 ”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“
 ”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“

♦ ♦ ♦

”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“
 ”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“
 ”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“

”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“

”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“
 ”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“
 ”جی، میں تو پوچھ رہی ہوں کہ آپ کوئی کام ہے؟“

ٹوٹو کا دسے اتری تو نور خان نے سیوٹ کے انداز میں سلام پیش کیا جسے قابل توجہ نہ کرنا اور کھٹ کھٹ کرتی آگے بڑھ گئی۔

نور خان کو ایک اور پھڑکنے والا گیت یاد آ گیا۔ "سج صبح ہی سے اسے ہشتاد گانے یاد آتا شروع ہو گئے تھے بلکہ ساری کائنات ہی سروں میں ڈھل گئی تھی اچانک وہ اپنی جگہ ٹھک کر کھڑا ہو گیا۔

فاخرہ خانم گھر کے بے تکلف حسیے میں اس کی طرف آ رہی تھیں۔ چور کی دازمیں سے تنکے کی صدق خواجہ اول در در سے دھڑکنے لگا، وہ نظریں جھکا کر رہ گیا۔

فاخرہ خانم اس کے قریب آ کر زکیں۔ بے اطراف ایک ناقدانہ نظر دوڑانا ٹوٹو کی کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"یہ کس کی کار ہے ؟"

"وہ جی ایچ بی بی کی م میرا مطلب ہے اس صاحبہ کی دوسری کی وہ کیا نام ہے ان کا ؟" نور خان یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"اچھا ٹھیک ہے! ٹوٹو ہوگی ؟" پھر ایک دم چونک کر بویں۔

"کل یعنی ٹوٹو کے ساتھ گئی تھی؟ تم نے کہاں سے پک کیا تھا ؟"

نور خان پھر خوش ہو گیا۔ ہاتھ میں پکڑے اسٹے سے اپنے ہاتھ پونچھے گاچے کچھ سوج رہا ہو۔ اندر دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔

اس کے سامنے اس گھر کی قیمتی کھڑی تھی جس سے سب گھبراتے تھے جس کے سے بویں بھی ہٹا ہٹ گئی تھیں۔

"وہ میں تو آپ کو بے کر ٹھک گیا تھا مس صاحبہ بعد میں مئی تھیں میں معلوم کر لیا کہ اس کے ساتھ گئی تھیں یا اکیلی گئی تھیں م تو آ رہی تھی؟"

تھا! وہ بھی بویں کی کوشش کرتے کرتے پھر اپنی بلایا پر آ گیا تھا اس سے ساتھ دینی نہیں تھا ؟" فاخرہ خانم نے چسپتی ہوئی نظر دیا

بے پرواہی سے اور سناوید کی طرح بدحواس ہو گیا۔
"جیم صاحبہ کو کچھ پتہ چل گیا ہے ضرور افسر صاحب نے بتایا ہوگا" یہ تو جی میں ان کا کوئی دوست دوست تھا ام اس کو نہیں جانتا یہ تو خان کو نہیں تھا کہ افسر علی اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا اس لئے کہ رات اسے کسی سے نہیں دیکھا اس مرتبہ اس کے جواب میں اٹھا تھا۔

"ہاں کیا کسی کی طبیعت خراب تھی؟" انہوں نے سوال کیا تو نور خان نے غیر متوقع جیسے کے مترادف تھا۔

"جی ام کو کدو نہیں مس صاحبہ کچھ بورا نہیں ام سمجھا بہت تھک گیا" یار بہت ہو گیا ہے تو اس سے غصہ پیدا نہ ہوگا "نور خان بے ربط ہوا اور گرفت میں آ گیا۔

"یعنی وہ چند میں لگ رہی تھی؟" بس اس سے آگے نہ انہوں نے کچھ سوچا نہ وہ اپنی سواں کیا۔ پھر نور خان پر ایک نظر ڈال کر واپس پلٹ گئیں۔

"اس سے زیادہ یہ بدھو کچھ بتا بھی نہیں سکتا ایک نمبر کا حتمی" جھنجھلاہٹ اور حرج کی طرف منتقل ہو رہی تھی۔

بھی انہوں نے ٹوٹو کو بھی چیک کرنا تھا۔ اس سے پہلے وہ ایک کپ چائے پینا چاہتی تھیں۔ سر میں در کی ٹیسس اٹھنے لگی تھیں۔ کبھی کوئی بی ناگواری لے کر چلی ہی نہیں تھیں ہاتھ کے ہاتھ حساب کر کے ہلکی ہونے کی عادی تھیں۔ بقول ان کی ساس سوتو ہوں ماک پر دھر رہتا ہے مگر یہ بہت کڑا نشی وقت آ پڑا تھا۔ انہوں نے

..... بت سے ہر حال گزرنا ہی تھا۔



"....." یہ نہیں ہو سکتا میں جبری کو جانتی ہوں وہ بہت بولڈ ہے

بھی چینگ نہیں کرے گا۔۔۔ بلکہ اسے تو ہر صورت ایک Warm کھٹی پانی
بول ہماری باتوں کے سوا یا مراد پر ہے۔"

"میں تمہارے اس حیل سے داخل بھی تھاں میں کر سکتی تم غور کرو
گھر پر ہی تمہاری سیدھی سے تو کسی نے ایندھن نہیں لیا۔" نوٹو بہت سوچا سوچا کر کہ
رہی تھی۔

"کیا حاکم عور کروں؟ مجھے تو کچھ یاد ہی نہیں۔" ایسی نے جہاں
انکھ بٹ کا مظاہرہ کیا۔

"تم کمرے میں خدائی تھیں یا ڈرائیور کے ساتھ؟ تم خود سے کیسے
ہو؟ تم سے تو چھ بھی نہیں جا رہا تھا۔ کچھ یاد ہے؟" نوٹو نے اس کا ہاتھ تو
پاچھا ایسی جاسوسی سے ہاتھ پھینکے۔

"میں نے ڈرائیور پر اس تاکید کی تھی کہ اس صبح کی طبیعت ٹھیک نہیں
سنجھ کر لے جانا اور کسی سے ڈر مت آنا۔" چھوڑا تو اسی نے ہو کا تم چھوڑ
لو۔" اس مرتبہ نوٹو نے وثوق سے کہا۔

"اوہ لو۔۔۔ اچھی چھی۔۔۔ نور خان۔۔۔ چپ میں۔" یعنی نے جھڑپ
کی۔

"چپ بگڑا اس طرح کی حرکتیں کرتے ہیں مگر تم نہیں مت ہو۔ یہاں
بڑا پوٹ نہیں دھج رہا۔ بی کیسٹوں۔ ٹھوٹا۔ لو۔ چھج کرو۔ پھر ہر
کرتے میں۔ میں نے بھی ناشتہ نہیں کیا۔ ناشتہ ریڈن تھا۔ تمہارا فون کیا فون
لو۔ انجیل پڑھی۔ ہری پ۔" نوٹو نے اس کے رخصت چھوڑے۔

یہ تو بہت بڑا پوٹ ہے۔ کیسے انکو کیا جاسکتا ہے؟ نوٹو۔ "میری نگاہ
مجھے بہت چل رہی تھی بلکہ اتنا شدید کہ مجھ سے۔" ناشتہ نہیں ہو رہا تھا۔
"میرے چادرہ سے میں کچھ ہا کرم جاؤں۔" یعنی بہت ڈپرینڈ تھی۔

"اور میں گریں۔ یہ کرم ہے مگر تم نے نہیں کیا۔ تم پتہ کرو کر میں کون
"اگر چاہی ہو تو وہ تم سے پریش لیتا۔ تمہارے ساتھ انجوائے کرتا۔ وہ
"اور جاتا نہیں ہے۔" سے "ایک کچھ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ایک سے
آئی شیور۔ کچھ عرصے میں تم بھی یہی کہو گی
اب سین لڑکی کی رنج میں ہے۔"

اب اس سے دور یادہ کلوز ہو جاؤ گی۔
"اب اس سے دور یادہ کلوز ہو جاؤ گی۔" خود کو یقین دہاؤ کہ کچھ نہیں ہو۔
"اب اس سے دور یادہ کلوز ہو جاؤ گی۔" خود کو یقین دہاؤ کہ کچھ نہیں ہو۔
"اب اس سے دور یادہ کلوز ہو جاؤ گی۔" خود کو یقین دہاؤ کہ کچھ نہیں ہو۔
"اب اس سے دور یادہ کلوز ہو جاؤ گی۔" خود کو یقین دہاؤ کہ کچھ نہیں ہو۔

وہ چاہتی تھی وہ فائنٹ فریش ہو جائے تاکہ شام کو Warm کہنی، وہ تو
مات پیسے اس سچ سے گزر چکی تھی مگر اپنی حشی سے، اس کے نزدیک تو پارسائی کا کنسپٹ
بہت دیریت تھی۔ "ار۔۔۔ بہت انسٹنٹ تھا۔
یہی اسی طرح خاموش بیٹھی رہی۔ جانے کیا سوچتی رہی۔ نوٹو ایک ٹک س کی
ار۔۔۔ کچھ رہی تھی۔

"خزکار یعنی اپنی جگہ سے اٹھی۔ مار سمیٹ کر کچر میں قید کئے اور ٹیکے اٹھا کر ایک
دور رکھے۔ سلیکٹ اٹھا کر دوسری طرف ڈال۔
"اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کچھ گئی تھی کہ یعنی بیڈ شیٹ ہٹا رہی ہے۔ اس کے چہرے پر
عجب کی دیریت تھی۔ نوٹو کو اس پر ٹوٹ کر پیا رہ گیا۔ اس نے بھی کو اپنے ساتھ لگا کر چوما
"میں کلز کروں۔"

"ن میں تمہیں یک منٹ کے لئے کیا نہیں چھوڑاں گی۔"
اس کے دونوں پر پھینکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ بیڈ شیٹ اٹھا کر واش روم کی

حکم سے قطعی اندر میں بات کی۔

”آف کورس۔۔۔ لیکن اتنی جلدی بھی نہیں ہونا چاہئے۔“ شادی کے علاوہ بولنے والی ٹوٹاؤ اور محاط ہو کر بات کر رہی تھی۔

فاخرہ خانم کا سوا اسے اچھا قیل نہیں ہو رہا تھا اسے خدشہ تھا اگر وہ اسے برطرف نہ تو وہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر کہیں نکاح پڑھانے چل دیں گی۔ اس وقت اس کی دوسری دہائی تھی۔

”لیواٹ دس ٹاپک۔۔۔ یہ بتاؤ تم لوگوں کا آج کیا پروگرام ہے۔۔۔؟ گھر پر کہیں بیٹا ہے۔“ فاخرہ خانم پھر اپنے مشن کی طرف پٹ آئیں۔

دونوں نے اس سوال پر ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا جیسے کچھ سمجھ نہ سکی ہو۔

”ایب تو کوئی خاص پروگرام نہیں۔۔۔ شاید اپنے کچھ فرینڈز کے ساتھ رہ کر کریں۔ کل تو کالج بھی مسٹ جانا ہے اس سے شیور زیادہ بیٹ نہیں ہوں گے۔“

نے بیٹی پر نظر ڈال کر یوں کہا جیسے لیٹ نہ ہونے کی گارنٹی دے کر وہ فاخرہ خانم کو ایرن رہی ہو اور کسی موقع رکاوٹ سے بچنا چاہ رہی ہو۔ کالج کا ذکر کر کے تو سو فٹ کا۔۔۔ کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

”اچھا اٹھیک ہے میں پتا کام کرتی ہوں۔ آپ صبح اپنا پروگرام بیٹ کریں۔“ فاخرہ خانم یہ کہہ کر ٹھٹھکری ہوئیں۔ چہرے پر غور کی شکلیں سی طرح لکھی ہوئی تھیں۔

”اوہ۔۔۔ تھمبلس۔۔۔ نئی ٹوٹاؤ۔۔۔ راوی نے احساس سے کھل مٹھی متاثر ہونے لگی۔

بائبل خاموش تھی۔



افسر علی شام کے وقت لان میں بیٹھا ہوا اسٹڈی کر رہا تھا۔ سورج ڈاؤن سے قریب تھا۔ اب اس پر مغرب کی نماز کی تیاری کی غلبت بھی طاری ہو چکی تھی۔

ٹپ کر کے کے موڈ میں آ چکا تھا کہ فاخرہ خانم اس کے قریب چلی آئیں۔ وہ پیش ہوا ہو گیا۔ ایک بات ہوئی تھی اب اس کے بعد ہر بات کا سلسلہ اسی بات سے جڑنا محسوس ہوتا تھا۔

فاخرہ خانم اس کے شلوار تھیں اور چار جٹ کے دوپٹے میں ملبوس تھیں۔ بال بھی کچھ میں قید تھے۔ چہرہ بھی صاف تھا۔ ہر قسم کے میک آپ سے پاک۔ جس سے یہ بار بار ہوتا تھا کہ آج ان کا گھر سے جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ وہ آ کر افسر علی کے منہ میں چیمبر پر بیٹھ گئیں۔

افسر علی نے بک بند کردی اور ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔

”افسر علی کے لئے تو عین سعادت کی بات تھی کہ چچی جان آج نہ آئیں۔“

”ایک فیملی ممبر کی حیثیت دے کر بات کر رہی تھیں۔ نہ حکم تھا نہ جلال۔“

”وہ تمہارا دوست ہے ناں فرحان۔“ بہت اچھا لڑکا ہے اگرچہ وہ ۷۷ سے نیچر ہیں اور اس کی والدہ سے میری اچھی بات چیت رہی ہے مگر کوئی بھی لڑکی کی

اس ٹریکٹ کسی لڑکے کی ماں سے اس ٹاپک پر بات نہیں کر سکتی۔ بس کچھ اچھا نہیں سمجھا۔ وہ آہستہ آواز میں بول رہی تھیں اور افسر علی آنکھیں پھڑپھڑے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فاخرہ خانم نے کھل کر بات کی تھی۔ نہ سمجھ میں آنے والی بات تو تھی نہیں کہ وہ الجھ جائے اس پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔

”فرحان لیکن میں اس سے کیا بات کروں؟“ وہ پریشان سا ہو کر پوچھ رہا تھا۔

”ایک کہ وہ گلیج تو نہیں ہے کسی کو پسند تو نہیں کرتا؟ اگر وہ باؤنڈ نہیں ہے تو

اس سے یعنی کے لئے بات کرو۔ آج کل اچھے لڑکے بہت مشکل سے ملتے ہیں۔
اس گھر کے فرد ہوتے ہیں بھی یعنی کے لئے کوشش کرنا چاہئے۔ "خود حاکم سے پنا
ہو شیری افسر علی پر دکھانے کی کوشش کی تاکہ وہ اخلاقی طور پر خود کو مزید ریہ بار محسوس
کرتے۔

"تمہارے چچا کو بھی یہ دشت بہت پسند ہے گا اور یہ سب اگر تمہاری ہوشیوں سے
ہو تو وہ تم سے بہت خوش ہوں گے۔" فاحرہ حاکم نے بیٹھی ہی اس نے تھیں کہ جیت
تھیں۔

ہوں سے آخری حربے کے طور پر چچی کو ستھان کرنا ضروری خیال کیا اور اپنی
رواں اور ہوشیاران کا اثر افسر علی کے چہرے پر دیکھا چاہا۔ عمو تو اپنی چہ بہ رانی کا
تیجہ پہ حق میں ہی دیکھتی تھیں جس کے سامنے مجھے جیسے تیسراتے تھے۔ چہرا
افسر علی۔

"جی" میں بات کر کے بیٹھا ہوں۔ "اس نے شپٹ کرنا کہنے کی ہائی
ن جیکر خود رہا۔ میں تھیں کہ اس طرح ان باتیں جیسے شروع کی جاتی ہیں
تمہارے ہی سارے تھیں تک آجائیں گے۔ وہ آپ میں تو بھانا لگتا
ہے۔ جب تک تم ہمارے دراپ سے وہی کاموں سے کاغذ ہو چکا۔ مجھے تو پتہ
ہی نہیں کہ رات کے جانے میں آج وہ کیا ہوئے۔ میں سپیٹ علی
ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے باتیں۔

افسر علی اچھے سامع کا تاثر دے رہا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر
تین اسی وقت گیٹ پر ارن ہی۔ افسر علی اور فاحرہ حاکم اپنی تھک پہ مستعد
ہو گئے۔ واقعہ میں کھڑکی سے جھانک کر دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے پتہ نہ بھانپا
میرت ہوئے ہوں۔

اس کا افسر علی کے ساتھ دیکھ کر کچھ ہلکا کھلکا اور ڈوری سے ہاتھ ہلا کر ہوں

میں ٹونو کے ساتھ چارہی ہوں۔ بورخاس کو بھیجے کی ضرورت
ہی۔ وہ مجھے درپ مرد سے گی۔ "وہ یہ کتنی میٹ سے باہر نکل گئی
جائیں سے میٹ مد کیا

فاحرہ حاکم سے ایک نظر افسر علی پر ڈال اور آگے بڑھ گئیں۔ ہندی آنے کی تاکید
آپ اپنی تھیں مگر خدمت میں ہی رہ گئیں۔ نیا جزیئن بہت فاسٹ اور ایکٹو ہے۔ اپنے
ماتحت ہارٹسٹ سال دی۔

آج کی رات بہت دیر سے ہونا تھی۔ اس کو ایک اربت سے یہ تو بجا مل جاتا تھی یا
زیادہ ریت سے اُترنا تھا۔ اسی حساب سے افسر علی کی قسمت کا فیصلہ بھی ہونا تھا۔ رات غلط
ت ہوئے پڑے تھے۔ یہی گھر سے چلے جاتا تھا۔ اعتوں ملا متوں کے بوس اس کے
میں۔

تھیں سے محسوس ہو رہا تھا کہ فاحرہ حاکم نے اس کی بات کو بہت سیر میں لیا ہے۔
اسے لگتا ہے پاس کا کرٹر تھا۔ کی کوشش نہیں کی بلکہ برہم رست چچی کو بتایا اور گھر
میں بہت باہر آتے آتے رہ گیا۔

ورجیاں سے کور کے دروازے پہ کھڑے کھڑے ماحول کا جائزہ لیتا تھا۔ چند
ٹ پیلے ہی رہ گیا تھا۔ آج اس کی چھٹی تھی۔ نہ بیگم صدار نے سے قال کی نہ مس صاحب
ہے۔ اس ملا مت یہ پسا خالق تھا کہ انہوں کا ریں پوری میں کھڑی تھیں۔
افسر علی، فاحرہ حاکم کو یہ کراہہ جس اپنے کو فرمیں جانے ہی، تھا کہ کسی
نہیں رط جاتی تھیں۔

وہاں سے سارے وجود میں سمیٹی سی دوڑتی ٹخنوں سے، پچ ٹر فائر، بکلی ہی
ہو گئی پدیں سیو میں ٹرٹ چاندی ن طرے چھینے ہارو۔ اس سے مشغل ہی
بگلی ہوئی رال کر دکا۔

اس نے وہاں نہ نہ (کھانا) ہے اور ہر تہہ کا ہوا پیتا ہے۔ پنا

تو یہ انکار سے بھی وہ بچے یا زوہبلا تارات کی تیاری کرنے اندر چل گیا۔
اسرائیل اور فلسطین کا نام دوسرا بچہ تھے۔

◆ ◆ ◆

ٹوٹو اور یحییٰ آداری کے پارکنگ لائٹ میں حجازی کا انتظار کر رہی تھیں۔ ٹوٹو مس
کا۔ دے چکے تھے۔

یہی ٹھنڈوں کے پیچھے پھیل چکا ہے۔ حادی تھکوں سے سامنے کی طرف ایک ٹکڑے
کچے جاری تھی ٹوٹنے ہوئی اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

پہلے کہا کہ تم ہو، چیتہ پہ بھی مار گا، ایک سانپ کی لنگ

ہاں کبھی ہی کسی دروازے کے سامنے مت کرنا۔۔۔ مرد مرد ہوتا ہے
میںر اپنے نتائج لینے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔ پری فیل کرتا ہے۔

”ہم لڑکیاں بہت پوچھتی ہیں ‘خیر’ سے مزید پوچھنا ہوا کرتی ہیں۔ مگر
 کا کچھ نہیں بگڑتا۔۔۔ وہ ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے۔ Infected نچوے منٹ صرف مرد

نہ ہوتی ہے۔ اس کے میں چتے ہر + است سے ریوہ سے ریوہ فائدہ اٹھا کر
پوشش پتی ہوں۔

نہایت حجابی اور اداست نہیں پہنچے نہ رواج و ریا میں نے اس میں سے اور
بہتر دیکھا ہے۔ بہتر دیکھنے پر اس میں کچھ ہینڈ ریڈ تیار ہے پر اس میں

”یہ دوست ہمیں کھاتے پلاتے ہیں شاہجگ کہ تہ میں پیش نہیں دیتے کیش
صرف کالہ گراہی رہیں جس سے نام ہتے میں نام کے حساب سے

یہ صرف کال کرل کو دیتے ہیں۔۔۔ ہم سے نام یہی ہے۔۔۔ ہمارا بڑا بھائی ٹائی انٹرنس
Pavlenko کرتے ہیں۔۔۔ ہم کال کرل نہیں ہیں۔۔۔ ہمارا بڑا بھائی ٹائی انٹرنس
ہم کال کرل نہیں ہیں۔۔۔ ہم کال کرل نہیں ہیں۔۔۔ ہم کال کرل نہیں ہیں۔۔۔



ہم سے خوشی حاصل کرتے ہیں ان سے کیش

میں نے کہا کہ میں نے میرے پاس ایک کتاب ہے جس میں
میں نے لکھا ہے کہ میں نے میرے پاس ایک کتاب ہے جس میں

میں نے بڑی سادگی سے پوچھا۔
 "اوپن کا وہ کون سا انسان ہے جسے ڈالر کی ضرورت ہو؟"

ناتائش سے بدد کہ فیض میں نہیں (Gain) کرنا ہے۔
 اب ہم اپنے دوستوں سے اُدھار کر کے لوٹو پھر
 لوٹو نہ رہو۔

کتاب کتاب سے ہے۔ یہ ایک ایسی ہے۔ جو آپ کو Earn کرنے کے لئے اسی تکنیک سے۔

1600ء کا دور: یعنی نے جنہیں پھاڑیں۔

”جائے گز میں۔“

انہوں نے حیرت سے پوچھا۔ ایک مرتبہ میں تصور اُسی بار سے تھے بار بار کرسکے۔

جنگی کھڑا سے الٹ کیا اور خود جلدی سے سیٹ ہو کر بیٹھ گئی اور اُٹلیوں سے بائیں

کازان سے قریب - کروکیزی کا نشان دو لکھیوں سے بنایا پھر انگوٹھ دکھایا اور

یہاں سینہ طرف کا در کھول کر بیٹھ گیا۔
 قیمتی مسودہ کن خوشبو کار کی فہ میں بکھر گئی۔ حجازی نے ایک سیٹ پر بیٹھی بخشی کو مرر

-۴۵-

"یہ وہ کیوں رہی ہے ٹوٹو...؟" مجازی کے کھٹ پر ہنس کر بڑا رہائی ہوئی
اس کا مطلب ہے آج اس کی صورت کچھ خاص نکاح رہی ہے وہی چہرہ ملی سر
show ہو رہی ہے۔

"مائی فٹ... اس کیوں فضول میں اتنی شیس ہو رہی ہوں؟" آخر یہ ٹوٹو کی
ہے سال میں چار مرتبہ بیٹن مونا کر آتی ہے۔ "بیمیں سے خود کو محنت خدمت کرنا شروع
کر دیا۔"

"اس کے سر میں درد ہے مجازی...؟" ٹوٹو نے بات بتائی۔

"لو پر اہل...! دوا ہے میرے پاس" "تجاری نے 1 پرواہی سے جواب
یا رکارڈ کر کے گا۔"

ٹوٹو نے زبردست قہقہہ لگایا جیسے کوئی بہت اچھا لطیفہ سنا ہو جبکہ بیسی کی کیفیت
میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

"زندگی کی سب سے بڑی چوری، ڈاکہ پڑنا تو مرمیوں کی تصویر تو ذہن میں
ہوتی، افسر علی، "ورحان" کی کہانی تو اصل گواہی ہوتی ہے، فسر علی کا
نام ذہن مسلسل مسترد کر رہا تھا۔"

"یہ سچے سچے لوگ جس کا گناہ چھپا تم میں چاہے کہاں سے آئے ہیں؟
یا کچھ سے آئے ہیں؟" ناؤنی، حیرانہ کی نہیں ہوتا، بالکل چاروں عیسی
زندگی، رزق کی تلاش میں ادھر ادھر، ہر مذہب، پیٹ بھر، اور سو گئے، نفس نے ٹنگ کیا
تو پاس ہی کوئی رہا، ہل گئی، چھٹی چھٹی۔ "سے وہ خواب سے تھوڑی سی گھٹ گئی۔"

"یہ فوسن گڑبا آج بہت خاموش ہے،" بیسی کی طبیعت خراب ہے۔
مصطفیٰ کی دیکھ کر میں بیسی، "میتے ہوئے" کے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں کچھ کچھ" "میں رات کے رات ہوں" اس کا تو منہ ہی نہیں تھا۔
ٹوٹو نے مجازی کی طرف دیکھ کر کہا۔

بہت چھپا گیا، بھی ٹھیک کر دیں، اس کی طبیعت ڈرامٹوری...
کی سائیڈ پر چلتے ہیں، "دو ٹی ایر انجوائے کرتے ہیں۔"
"ٹوٹو نے ہاتھ اونچا کیا اور تجاری سے ہتھیلی سے ہتھیلی مدائی، پھر جلدی
"ٹوٹو" سے لہرتی کار کو قابو میں کیا۔

"سی سائیڈ رہنے دو ٹوٹو،" بہت دیر ہو جائے گی، تجاری کو وہاں سے صبح تک
بہت مشکل ہوگا۔ "بیمیں نے گھبرا کر بے ساختہ کہا تھا۔
"مصطفیٰ مجازی نے بھرپور قہقہہ لگایا۔"

"ٹوٹو" "یہ تو بہت ڈری ہوئی ہے" اسے کسی نے بتایا نہیں کہ جو ڈر گیا وہ
مر گیا، بلکہ یہ تو ہمیں مگر مرادے گی، اسے سمجھاؤ، "ہم سوئزر لینڈ کی تیاری کر
رہے ہیں اور تم سارے مزہ خراب کر رہی ہو۔" مصطفیٰ مجازی بہت اعتماد سے کہہ رہا تھا جس
پر بیسی کے اندر تھمر سی پیدا ہوئی۔

"سوئزر لینڈ زمین کی جنت، کئی سال پہلے مٹی کے ساتھ گئی تھی، سچ
تک ایک حسین خواب کی طرح یا تھا، ایک ارب پتی خلی دا تا قسم کے دوست کے ساتھ
سوئزر لینڈ یا ترا...؟ کیا واقعی؟" سے حیرت، استعجاب نے "گھیرا، خود بخود،
احساسات بد نے لگے۔"

"ہاں اسے یہاں سے چلے ہی جانا چاہئے،" کیمبر قسم کے باپ دادی...، فالو
کی سمجھیں، "زندگی ہے یا کوئی حجاب، یہی کوئی زندگی ہی نہیں، اب مٹی و
مٹی دیکھو، "تے آتے تاکہ ایٹ مت ہونا حدی" تا، "خود کتنی اچھی کہنی ہو بھوت
بٹنگے میں حدی، "ایس جاؤ، ہر طرف سائے کاران، بند، "ارے بند کمرہ...
دے کر کپیوٹر ہی ڈیز، وی ڈیز...، "دس مرتبہ کی سٹی ہوئی کیسٹس، "ٹائیس ہوم
گوہیل ہوم... خود کی تو پر اپر قسم کی ایکٹوئیر ہیں، "فیتے کاٹنے جا رہی ہیں، "رہیں
ڈزائنڈ کر رہی ہیں... کبھی کسی بیور، کیٹ کھی تو نصیبت کی چچہ گیری کر رہی ہیں

دوست جمع کر رہے ہیں ہمارے عزیز شہداء ہمارے لئے جو بڑھاپے میں آرا دہی سے استفادہ کرنے کو ملے گی ہو بہو

”یہ پھر حیا یوں میں کھو گئی ہے۔ ٹوٹو اس سے پوچھو ”دروائی“ چاہئے
کار میں بھی، میل اسیل ہوتی ہے۔“ حجازی نے ذہنی بات کی۔

یہی پھر چونک پڑی۔ ”دو ٹی“ کا وہ معنی اشارہ سنتے ہی اندر ایک بیقراری سی مٹ گئی۔ سے خیال کیا، قہری وہ تو ”دو ٹی“ ہے۔ جان چھوٹ جاتی ہے ہر قسم کے ٹیشن سے۔ بندہ ایک دم ریپیکس ہو جاتا ہے۔

اسے حیران کیا دوسرے سے کتنی ذہینت میں ہے۔ کبھی کبھار سوچ رہی ہے کبھی کبھار
سے کل دور پرسوں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ان لوگوں سے زبردستی کی تھی مگر آج سچ کا
اسے اس کی ضرورت ہے ورنہ صبح تک اس کے دماغ کی شریانیں نہیں پھٹ جائیں گی۔
”اوہ جی رن! کیا یاد دلایا تم نے.....! ہنڈل آف ٹھیکس.....! چلو کسی ٹھکانے
پر چل رہے ہو۔“ یہی کاس کی آن میں سب کچھ بدل گیا۔

اسے ہر صورت اس اذیت ناک سوچوں سے بچھٹکار چاہئے تھا۔ اسے مری رہنے کی حالت تھی۔ اسے کیا پتہ تھا کہ بدجمل طبیعت کیا سوتی ہے! اکتھار کیا ہوتا ہے، اور حرمین اور حاصر۔ مرضی کا کھانا، مرضی کا سونا، کبھی کبھی ایسا مزہ خراب کرنے آجاتی تھیں تو وہ اس کا بھی گلے نکال دیتی تھی۔ کسی دوست کے پاس گپ شپ کرنے چلی جاتی، دل بھر کر "دقیقہ نوی" داد کی کاغذ قہقہاتی، دل کی ہڑ اس نکل جاتی اور وہ ملکی موب جاتی

نوٹو اور تجزیہ می کے بے ساختہ انداز پر وہ اٹھ اٹھ رہے تھے۔ نوٹو تو باقاعدہ دھوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔

”اوپہ“ ’مائی گاڈ‘ ’ماتے میں چیری تمہیں‘ ”وہ ہنسی روک کر کہہ رہی

”محمی تو یہ نہیں کہہ رہی ہو لیکن ایک دن دس سے مانو گی۔“ حجازی نے بڑے اطمینان سے

ہے۔ دل و درمیاں میں رہنے کی ضرورت نہیں ورنہ پھنس جکتے ہو۔ ٹوٹو سے

جیہ کی۔
 وہ چھنے وہ سے مرگے اب تو پھر نے، اے تہرے ساتھ میں۔ "حجی کی نے نہا
 درو سے یوں تہرہ لگایا جیسے ریر دست ۱۱، ۱۲ سے رہی ہو
 جی بھی مسکرا رہی تھی۔ آنے والے بد ہوش وقت کے حساس ہی سے ۱۳، ۱۴
 ہوئی تھی۔

یہی کیسل "میں تیرے اندھ کی سولی سے منہ رہے تھے۔ گھر کی تمام تر
دشیاں گل تھیں، ہلکی ہلکی روشنی میں۔ چہرہ ہندوئی ہوئی تھی
فاخر و حاکم تو، رخ میں لیٹی ہوئی تھیں، سب سے مستقل اس کے ہاتھ میں تھے۔ وہ
مستقل کو خلیفہ کر کے کی دشمنی میں آئی ہوئی تھیں مگر، سر کی جانب بولی ہو کر نہ تھا۔ کبھی
بہت بولتے تھے کبھی ٹوٹو۔

ہماری زندگی میں ایسی عذاب و تپیل مرتبہ آتی تھی۔ کبھی روباہ علی سے
ہست جنگ و خونخوار کی کر سہائیں۔ خوب سوکرائیں تو اور باب علی گھر سے
دب۔ خود بخود نارمل ہو جاتیں۔ روٹیں کے کام شروع ہو جاتے۔

لیکن یہ وقت تھا کہ رنگولائزر کی ڈھال بھی ناکارہ تھی۔ پورے ہوش و حواس میں
یت برداشت کرنا تھی اور ابھی یہ شے ہے۔ انسان کو وہاں کبھی رک دیتی ہے حساب
ساز مجبور ہونے سے ہی ہے مرنے پر تیار ہونے کی خاطر مجبور کی منظور کرنا پڑا تھا
موت سے خوف نہ تھا ہے کہ ہم مرے تو اس سے سنبھلے ہوگا اس وقت
نسب اولاد کی نونے ماں باپ کے علاوہ کوئی برداشت کرنے والا تیار نہ ہو

دوسرے پاس ۱۱۔ سر علی تھا۔ اس کی چپنی ثابت ہونے لگی تھی۔ اس کے بعد کون

بیجا نہیں تھا صرف دکھ تھا۔ وہ خروہ خانم کو انتظار میں جا گئے، کچھ چکا تھا اس سے۔
آنے سے پرہیز کر رہا تھا۔ کچھ لوگ سنے جا رہے تھے کہ کسی کی شرمندگی پر
مرے جاتے ہیں وہ اوپر تیریس میں نہیں رہا تھا۔ کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں تو
دھڑک اٹھا مگر وہ گاڑی اڑھائی گز دور تھی۔ دس پھر سے ڈوبنے لگا۔

تیسرا بندہ نور خان تھا۔ کوارٹر سے باہر آ کر جھٹکتا۔ کان کا رے کے رکنے کی
لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے چہرہ کھڑک کو کوا کو رانی کرنا کار میں سے لے کر باہر نکلیں مگر
تک دل کی مرد پوری ہونے کے آثار نہیں تھے۔ اندر کی بے کلی بہت بڑھتی تو کور
ٹھنڈا پانی گلاس بھر کر پی بیٹا مگر ایک سلگتی ہوئی سگ تھی جو سر اور ہتھیلیوں سے پھرتی
محسوس ہوتی تھی۔

”آج تو کس صاحبہ بہت تفریح کر رہا ہے کہیں وہ ”سرخ جن“ (ججاری) کا
اپنا کام نہیں دکھا رہا۔۔۔؟“ چور کو ساری دنیا ہی چور نظر آتی ہے۔ اس کی سوچ کی اڑان
اتنی ہی ہو سکتی تھی۔

تقریباً رات کے تین بجے گیٹ کار کی ہیڈ لائٹ سے روشن ہو۔ تینوں جاگے
والے چوکنے ہو گئے۔

خروہ خانم کا بچے قدموں سے اپنی جگہ سے چلیں۔

افسر علی تیریس کی ریلنگ پکڑ کر دیکھنے لگا۔

نور خان نے کوارٹر کے دروازے سے جھانکا۔

خروہ خانم گیٹ تک پہنچی ہی تھیں کہ کار کے دروازے کھٹ کھٹ بند ہوئے اور
روانہ ہوئے کی آواز آئی۔ چوکیدار کے بہن میں گھنٹی بجی تھی۔ وہ نیند سے بے جاں گیٹ
کھول رہا تھا۔

گیٹ کھلا مگر بمبئی اندر نہیں آئی۔

خروہ خانم کا دل کا پچاسم پر رشتہ سا طارن ہوا۔ وہ بمشکل گیٹ تک آئیں۔

چوکیدار نہیں دیکھ کر ایک طرف ہو گیا۔
بمبئی دونوں ہاتھوں سے گیٹ تھا سے سر جھکا کے کھڑی تھی۔

خروہ خانم نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔
اب افسر علی سے مزید کھڑے ہو کر تہ شانہ دیکھا گیا۔ وہ سر پٹ دوڑتا ہوا گیٹ
تک آیا۔

خروہ خانم ایک لمحے کو اس کی طرف متوجہ ہوئیں پھر باہر دیکھنے لگیں۔ ہاتھ ابھی تک
سینے پر دھرا تھا۔ گویا کی سب ہو چکی تھی۔
افسر علی آگے بڑھا اور بمبئی کا بازو تھام کر بولا۔

”بمبئی اندر چلو! یہاں کیوں کھڑی ہو؟“

”وہ کبھی نور جاں ابھی تک گاڑی لے کر نہیں آیا“ کا بچہ (گالی)

شوٹ کر دوں گی اسے۔“ بمبئی کی عجیب سی آواز اٹھوٹا پھوٹا لہجہ۔

خروہ خانم تیسرا سر کرنے لگیں۔ بمشکل گیٹ تھم کر سہارا یا مگر بند آنکھیں کھوٹا
مشکل ہو گئیں۔

”بمبئی اتم گھر آ چکی ہو اندر چلو“ افسر علی نے اس کا بازو پکڑ کر

کھینچا۔

”گھر۔۔۔! میرا کوئی گھر نہیں ہے۔۔۔ مجھے سمندر میں ڈوبنے دو۔۔۔!“

خروہ خانم سے آنکھیں پھڑک کر دیکھا اور انتہائی کمزور آواز میں افسر علی سے بولیں۔

”مم۔۔۔ میں کسی کے بیڈ میں جا رہی ہوں تم کسی طرح بھی اسے اندر لے

آؤ مجھ سے اب کھڑا نہیں ہوا چاہتا۔“ یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ اندر کی طرف بڑھیں۔

اس بوڑھے کے اندر میں جس پر اچانک غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور کمر ٹوٹ گئی ہو۔

بمبئی اسی طرح سر جھکا کے گیٹ تھمے کھڑی تھی۔ تراشیدہ بابوں نے اس کا چہرہ

چھپا دیا تھا۔ افسر علی نے اسے اپنے بازو میں تھام کر کھینچنے کی کوشش کی۔

جو یہ رہتا ہے۔ تین طرح کے تھکے ہوئے چھوٹی تھی جیسے بے سگریں کی۔

وہاں سے صبر کا بیج نہ بیڑ ہو رہا تھا کہ وہ ہل جگہ سے ہل نہیں پا رہا تھا۔ ہر صبر سے نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ تماش بنی کا شوق اندر طوفان اٹھ رہا تھا۔

افسر علی نے پوری قوت سے بمی کو کھینچا۔ پھر کھینچتا ہوا اندر کی طرف چلا۔

یہ بیدار گیت بند کرتے ہوئے بھی پٹ پٹ کر دیکھ رہا تھا۔ افسر علی اور بمی سے اندر غائب ہوتے ہی اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا تاکہ کوئی نہ۔

"تو تو۔۔۔" یہ پچھو، لوگ، بار بار پوچھ گچھ کا میں شغل سے جاتا ہے

ادھر یہ بڑا لوگ پیسہ کھرے میں پھینکتا ہے، یہ میں تماشہ حرمت میں خرابی۔" وہ بڑا رہا تھا اور ایک مرتبہ کیمین میں جاتے پھر اس کی طرف دیکھتا تھا۔

وہاں سے ہر طرف سے پانی پر پٹ پٹ کیا تھا، بھی سے مرید ہوا گنا تھا۔ چائیکس ملنے لگے تھے جس سے ہر طرف سے ہر طرف سے۔

افسر علی بمی دھچکھا جاتا تھا اس کے بیڑوم میں پانی۔ بمی مدستور مزاحمت کر رہی تھی۔

"سب کو دیکھ لوں گی۔۔۔ سوئٹر لینڈ سے صرف دیوالراؤں کی ایک ایک ٹوٹ کر دوں گی۔ یہ سارے لوگ مرتے کیوں نہیں۔؟ مجھے تنگ کرنے ورنہ وہ بیٹھے

ہاتھ دھو کر کے وجود میں جیسے زندہ سا گیا۔ ہل جگہ سے نہیں۔ بمی کے ہاتھ بندھ گئی، دو جگہ سے پچا پچا اور چٹا چٹا اس کے رخساروں پر طہنچے مارنا شروع کر دیے۔ ہر طہنچے پر بمی جھول جھول جاتی۔

بہن بھنگاں سنسٹا حلا چاک تھا، وہ خود سنسٹا نہیں پا رہا تھا۔

نہ نہ سے، ہر گلی تان لگی تو وہ۔۔۔ سے غیرت اتنے ڈیپار

بہن کا یہ حسد، وعدہ ہے تیری جیسی اولاد۔ تیرے باپ نے کاسٹ ٹائل پائین میں کسی پتی پر سانی پانچ نہیں آنے کی اسے مضبوط دھوپ کی آبی آوارہ بنی، میں پتہ کچھ کر چھوٹ دیتی رہی۔" آپ انہوں سے رو رو رہے، وہ پتہ مارنا شروع کرتے۔

افسر علی نے ان کے ہاتھ روکے۔

"جنگی جان، یہ ہوش میں نہیں ہے، اسی پر مار کا اثر ہے۔ آپ کی بات س کی سمجھ میں آ رہی ہے جو کچھ کہنا ہے صبح کہنے کا پتہ، اس پتہ

تہم کر کریں اور اسے بھی سونے دیں۔۔۔ پلیر جنگی جان

"افسر علی، انا دو اسے اور اس کے پاؤں میں زنجیر باندھ دو۔" وہ ہاتھ کر

دے ہے اس نے ہمارا سیاہ آمدنی ٹھس گئی ہے اس گھر میں۔۔۔ تمہارا چچا کھڑے کمرے میں ہلا قیں دے دے گا۔" وہ ہلک جھک کر رہے تھیں۔

افسر علی نے بمی کو ستر پر ڈالا اور جنگی سے پاس آیا۔ بمی جنگی کو دیکھ کر سب رنجش بھول گیا اور ایک بیٹے کی طرح ان کے شانے تھم کر بہت وسوزی سے بولا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا، آپ نے ہوش میں سب کچھ سمجھا ہے، شروع شروع کی بات سے یہ آسانی سے کہیں ہو جائے گی، آپ میں مدد دیتے ہیں آپ

سنجھا لیں گی۔"

"افسر علی، خدا کے لئے کسی سے ذکر مت کرنا۔۔۔ ایسی لڑکی سے تو عیاش بھی شاہی نہیں کرتا، میرے پیارے بیٹے۔۔۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" وہ

بچوں کی طرح بہت جگہ کر رہی تھیں۔

"خدا کرتی ہیں جنگی جان۔۔۔ میں اپنے ہی گھر کا تماشہ بناؤں گا۔۔۔؟ مجھ پر مجبور نہ کریں، جیسے پتہ، آپ آرام کریں۔" وہ اس کو تھم کر کمرے سے لے جانے لگا۔

فخرہ خانم سے باہر نکلتے ہوئے پٹ کر سوئی ہوئی بمی کی طرف دیکھا اور بیت

سے آنکھیں بند کر میں۔

فسر علی نے نکلے ہوئے دروازہ بند کر دیا، اور قافراہ قائم کوں کے بندہ روئے
چھوڑنے گیا۔

واپس پتے کمرے میں آکر اسے یوں محسوس ہو جیسے اسے بھی ٹرنگوں پر
صورت ہے، درندہ سونہ سکے گا، وہ اس سے لہو کو یہ دکر نے اگا اور اگا کرنے لگا کر اندر
اس پر رحم کرے۔

کافی دیر وہ اس میں بیٹھ رہا۔ بہت کچھ سوچ رہا تھا مگر کوں سراہا تھا میں نہیں
تھا۔

بے بسی کے اس لمحے اسے یاد آیا کہ وہ ای کہہ رہی تھیں میرے قید خانہ کا معمول یہ
ہے کہ پہلے ایک ہزار سونہ یا چینی یا قہوہ پڑھتی ہوں، پھر بیٹھتی ہوں، یہ
قرآن میں ہے ”بے شک دلوں کو اطمینان اللہ کے ذکر سے ہی ملتا ہے۔“ یہ جیسا کہ
ہی وہ شرمیلے میں وضو کرے چاہیے، وہ یا چینی یا قہوہ پڑھتے ہمارے چاہتھا۔

♦ ♦ ♦

ایک گھنٹہ نہیں مرنے کے بعد وہ اس کے قہوہ پڑھتے ہوئے دروازے سے روئے
انگڑائی لی۔ گھڑی کی طرف دیکھا سوا چار بج رہے تھے۔

وہ منطس ہوئی، ساری رات کے صبح کے سوتے ہی اس نے وہ چکے ہوں
سے۔

وہ بہت جلد اندر میں داخل ہو کر اسے باہر لے گیا اور سب سے پہلے یہاں کی
طرف دیکھا۔ چوکیدار کو تو یہی سونے کا ہنسا ڈھونڈنے ہیں اس طرف مل
سکتا تھا۔

وہ پہلے اس کی طرح قہوے پاؤں کو شیشی کے اندر داخل ہوا اور پھونک پھونک کر زینہ
بٹھانے لگا۔

بہن کے بندہ کے سامنے پہنچ کر اس نے ادھر ادھر کا جائزہ لے کر اپنی جگہ تسلی
کی۔ اس نے ٹینٹس اس کی باقی تھی کہ جاتے جاتے افسر علی دروازہ رک نہ کر گیا ہو۔
اس سے آہستگی سے بیٹھن گھمایا۔ دل مارے خوشی کے لمبوں اچھلا۔ بیٹھن کھم
نہ۔ وہ جلدی سے اندر گھس گیا۔

کمرے میں تار کی تھی ایک دم سے تو کچھ بھائی نہیں آیا۔ چند لمبے آنکھیں پھاڑ
پھاڑ کر دیکھتا رہا۔ تب جا کر نظر اندھیرے میں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئی۔

پہلے اس نے ”مے“ بڑھ کر سوچ کھٹ کھٹ کرنا شروع کئے۔ پھر ٹوبہ جلی جو اس نے
دور بند کر دی۔ پھر فیش چلا۔ اسپنٹ چل رہا تھا فیش کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بھی بند کر
دیا۔

دو جلی ٹیسٹ کرنے کے بعد تیسرے سے ملکی ریشم کمرے میں پھیل گئی۔ اس نے
پٹ کر ہستر کی طرف دیکھا۔ آٹ چاروں پہلی پوری، وحالت نہیں تھی۔

پہلی ہاتھ پاؤں اٹھائے نہ کمرے کے۔ اس نے پھوس کی طرح پڑی تھی۔

نور جان نے آیت پیلے اس کا منہ سو گھٹا اور اپنا ہر طرح سے اطمینان کیا۔ پھر
شیطان کی فکر سے اس کا پیچھے سے اس کے زخموں کو چھو۔ پھر شانی پر بکھرے

اس سمیٹ کر پیچھے کئے اور اپنی کوئی سوئی ہوئی حسرت پوری کی۔ پھر سر سے پاؤں تک
جا رہا دیا اور مسکرایا۔

”وہ کس صاف ہے۔“ اس نے مرعہ تو قاضی کو بھی حاسن ہوتا ہے۔ اور آگے بڑھ کر
انگل ریشم بھی حاسن۔

♦ ♦ ♦

السر علی نے تسبیح تمام کی۔ دونوں ہاتھوں پر پھونک کر ہاتھ چہرے پر پھیرے۔ فجر
کی اور نہیں اس دوران ہو چکی تھیں۔ اس سے نماز پڑھ کر ہی سکتا تھا۔

پڑھتے پڑھتے حلق بھی خشک ہو چکا تھا۔ اس نے سوچا ذرا ٹھنڈ پانی پی کر صاف
کرے گا۔

کمرے بلکہ جب جاگ رہی رہے تو مسجد میں جا کر جمعیت کی پڑھنے کیوں زیادہ اہم
کا موقع ہوا۔

وہ کمرے سے باہر آیا۔ بلا ارادہ نظر پھنی کے کمرے کی طرف اٹھ گئی۔ ڈھکی آہ
ہر آن پوچھتی گزرتی ایک آہ سی پیٹے سے ابھری۔
اس نے کچن میں جاتے کے لئے زینے کا رخ کیا مگر اپنی جگہ پر ٹھٹھک کر رہ گئی۔
رہیں تھیں کون کون گھومنے محسوس ہوتا۔

نورخان چوروں کے اندر میں بھی نہ کمرے سے باہر آ رہا تھا۔

افسر علی کو تو یہیں محسوس ہو رہا تھا گویا وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہے۔ جاگ
جائے گا تو بہت دیر تک سوچے گا۔

نورخان نے باہر آ کر زبردست قسم کی انگڑائی لی۔ اب اسے بہت زور سے نیند آنا
شروع ہو گئی تھی

افسر علی کو محسوس ہوا اس کا B.P شوٹ کر رہا ہے۔ وہ ایک دم جیسے خواب سے جاگا
اور ہنسٹ گا کر نورخان تک پہنچا۔

یہ سب تاخیر متوقع تھا کہ نورخان کا ہارٹ فیل ہوتے ہوتے بچا۔ وہ بدحواس ہو
کر رہنے کی طرف بھاگا۔ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے حد تک کی کوئی گنجائش
نہیں تھی کوئی تذبذب نہیں تھا۔ چور کو تو واقعی سزا دینے کا جذبہ آندھی میں کراہ کے
اعصاب پر چھا چکا تھا۔

نورخان آگے آگے اور وہ پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا نورخان مدحواس کی وجہ سے
بھاگ کھڑا ہوا تھا ورنہ یہ تو اسے بھی علم تھا کہ وہ گیت سے پار نہیں جا سکتا۔

فرس نے پک جھپکنے میں اسے دبوچ لیا تھا۔

"دیکھا کر رہا تھا۔ بھئی بل بل کے کمرے میں۔۔۔؟ تلاشی دے۔۔۔ دکھا ادا صر جیب۔"

نور خان کو کندھوں سے پکڑ کر بری طرح جھجھوڑ کر پوچھ رہا تھا۔

بات کسی دروغ پر چل پڑی تھی جس سے نور خان کو تقویت سی ہوئی۔ اس نے بے حوشی دے ٹکری سے خود کو تلاشی کے سے پیش کر دیا۔

افسر علی نے اس کی جھپکیں ٹٹوئیں۔ نیٹے پر ہاتھ چلایا۔ یہاں تک کہ اس کی پندیں، ٹٹوں، تنک کو چھو کہ کچھ بندھ سوتے ہو مگر کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے گھور کر نور خان کی شکل دیکھی۔

نور خان نے جلدی سے نظریں جھکا لیں۔

کیا کر رہا تھا؟ "بھیر جارت تیری ہمت نیسے دی، بھئی کے بد قدم رکھنے کی سند سے ہو کر کیا کرنے گئے تھے نہ؟" جلدی حواس او۔۔۔ بھی تمہیں گرفتار کرانا ہوں۔۔۔ جلدی بولو۔۔۔!" افسر علی کسی سخت پائیس اندر سے سب دیکھ میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

نور خان صبراً حق اظہر کیا جواب دیتا۔ سچ بولنے کا تو وہ اس میں یہ نہیں ہوتا تھا۔ "سہراب خان۔۔۔!" افسر علی نے چلا کر چوکیدار کو آواز دی۔ پے در پے آدیں دے ڈالیں۔

سہراب خان آنکھیں ملتا اپنے کہیں سے باہر آیا اور ہمارا منظر دیکھ کر یہ کی کیفیت ایک ام ہوا ہو گئی۔

"اس کا خیال رکھو۔ اپنی گن گن کر سے نشانے پر رہو۔ بھگتے۔۔۔ پائے میں ایک منٹ میں آتا ہوں۔" افسر علی نے حکم دیا۔

سہراب خان پک جھپکنے اپنی گن گن لایا اور بھئی نور خان کا نشانہ بندھ گیا۔ مسج سے کمرے کی ہر طرف تھی۔ ہلکی ہلکی روشنی، پرندوں کے خوشیوں بھرے گیت اور

نور خان پر گویا موت کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ افسر علی بھاگتا ہو اندر گیا وہ فخرہ خانم کو چارے جا رہا تھا کہ ان کی غیر موجودگی میں وہ کوئی مکی فیصلہ کن قدم کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"صاحب کو ایسے ہی عصا آگیا ہے لالہ۔" اتم میہ سے کو ادا صر سے جانے دو مہربانی ہوگا۔ پتا بچہ کچھو مال۔۔۔" نور خان گڑ گڑاتا ہوا سہراب خان کی طرف

دیکھا۔ "جہ دور۔" ادا صر ہی ترک چلا اور نہ ام مار کرتا۔ اتم نے ضرور کوئی خط کام کیا ہے جو صر صاحب م کو نشانہ لینے کا بولتا ہے۔۔۔ امارا بچہ تنک حرامی کرے گا تو ام دوسرے کے کہنے سے پہلے اس کو گولہ مارے گا۔"

نور خان جوں تھا اور سہراب خان اسیز عمر نور خان کو خوش فہمی ہوئی کہ جیسے وہ تھوڑی ہمت کرے تو اسے رہا کر سکتا ہے۔ وہ زکا نہیں، ہاتھ جوڑتا "لالہ لالہ" کرتا قدم بدتم آگے بڑھنے لگا۔

سہراب خان غصہ من پر شعل ہو گیا اس نے خیردار کرنے کے لئے گن سے دو ہوائی فائر کئے۔

نور خان نمٹ اپنی گڈرنگ گہا اور سہراب خان کے تیور کا جائزہ لیتے لگا۔ اس نے "افسر علی سر پٹ" دھڑاتا باہر آیا اور پیچھے پیچھے ناکئی پر چادر لپیٹے فخرہ خانم انہوں نے فخرہ خانم کی آواز سن لی تھی وہ بھی گرتی پڑی وہاں تک پہنچی تھیں۔ "تک کیا بات ہے؟" کیا تم شہر ہو رہا ہے؟ "وہ مدحواں ہو کر افسر علی

سے پوچھ رہی تھیں۔ "چن جاں" یہ وار داتا داتا کر کے بھگ رہا تھا۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے بھئی کے بیڈروم سے باہر آتے دیکھا ہے۔۔۔ آپ اس سے پوچھیں یہ کس سے کمرے میں کیا کرنے گیا تھا؟" افسر علی غصے کی شدت سے کایا ہوا تھا۔

"توبہ توبہ! یہ تو تنک حرامی ہے۔؟ آپ پولیس کے توبہ۔"
 صاحب "اس کو نہیں چھوڑنا۔" فخرہ خانم سے پہلے سہر ب خاں نے اسے جہالت
 ٹھہر کر دیا۔

فخرہ خانم تو چھوٹے پتھر بن کر نور خان کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔ ٹانگیں بے جان
 سی ہو رہی تھیں، دل ڈوبتا جا رہا تھا۔

"جی جی جی! یہ دو ٹکے کا چھوکر۔۔۔ اور ان کی نازوں کی پالی کروڑوں
 جاہل کی اٹھوتی و رٹ۔۔۔ پھوں جیسی بنی۔" ایک دم ان کے اندر بیجان سا مہر پانہا۔
 وہ چیل کی طرح نور خان پر جھپٹیں، رز تڑبے حساب طمانچہ اس کے منہ پر مارنا شروع
 کئے۔

بے عزت! تنک حرام۔۔۔! حرامی! تیری یہ بھال؟ تنی
 ہمت۔۔۔؟ میں تو ہڈی چھڑک کر تجھے آگ لگا دوں گی۔" اب نبیوں نے اس کے سینے
 پر دو ہتھ مارنا شروع کر دیئے۔

افسر علی۔۔۔ آگے بڑھ کر انہیں سنبھال
 "جی جان۔۔۔! آپ کچھ نہ کریں۔ پلیز خیر کو سنبھالیں۔ میں ابھی ۱۶ پر
 پینک وٹاں رہا ہوں۔ آپ سے پولیس کے توبہ سے سریں، وہ فوٹو اسٹ سے گی اس
 سے۔۔۔ یہاں تو کوئی اس کی ضمانت دینے والا بھی نہیں ملے گا۔"

"پیس۔۔۔" نور خان کی قہقہہ جھوٹ گئی، فخرہ خانم، حشمت زہرا کی
 ہو گئیں۔ سامنے نہ سوائی جگہ ہسائی کے بچوں ساٹن چکے تھے۔

"الحق ہو تم۔۔۔! تمنا شاہناؤ گے اپنے چچا کا۔۔۔؟ یہ کبھت جانے پولیس کے
 کے پانیاں سے۔۔۔ اس کو تم کو نہ مار یہاں سے اٹھانے دو۔"

"سہراب خان۔۔۔! گیٹ کھولو اور اسے ڈھکے مار کر باہر کرو۔۔۔ جلدی کرو اپنے
 صاحب سے مننے سے ہٹ پٹ نہ مارو۔ اس کا یہ ہتھکنڈا انہوں نے انہوں ہاتھوں

سے اپنا پکڑا تا ہوا، سر تھم لیا۔
 افسر علی سمجھا وہ دیہوش ہو رہی ہیں۔ اس نے ایک مرتبہ پھر انہیں تھام لیا۔

"جی جان۔۔۔" اس کو پولیس کی مار گواہیں۔ جیل میں چل چکا ہوں، ایسے
 ہیں چھوڑیں۔۔۔ کل کو یہ کہیں اور اسی طرح کی حرکت۔۔۔"

"عاموش ہو جاؤ، افسر علی۔۔۔! ایک لمبے میں اسے میری آنکھوں سے اٹھل کرو
 ورنہ مجھے برین ٹیمپریج ہو جائے گا۔۔۔ میرا B.P. شوٹ کر رہا ہے۔۔۔ ہری آپ۔۔۔"
 جلدی فوراً دفع کرو۔"

افسر علی تو فخرہ خانم کی حالت، کچھ کر دیتی بری طرح گھبرا گیا اور سہر ب خاں کو
 گیٹ کھولنے کا اشارہ کیا۔

اس دوران نور خان ہاتھ باندھے مستیس سی شکل بنائے کھڑا رہا جیسے وہ ٹوٹ خندہ
 کی وجہ سے ناحق اس سے بدگمان ہو رہے ہیں اور اس جیسا انھما معصوم تو پوری دنیا میں
 کہیں نہیں ہوگا۔

چونکہ رنے گیٹ وا کر کے اسے گھر کی تان سے روک پر گیٹ کی طرف۔۔۔ حیدر۔
 'غریق ہو۔۔۔! مالکین نے تیرے اوپر رحم کر دیا۔۔۔ پولیس والوں کے ہتھ سے بچ
 یا۔۔۔! سب کا بچہ ہوگا تو سبق ملے گا۔۔۔! سب غیبت۔۔۔! تنک حرام۔۔۔!'
 وہ اس کو جھکے سے کر باہر کرتے ہوئے خود کی کھلت کے طور پر بول رہے تھے
 گیٹ دوبارہ بند کر دیا۔

اب سب بھر پور ہو چکی تھی۔ صبح کے اٹالے میں فخرہ خانم کو افسر علی کے سامنے کھڑا
 ہونا پڑا۔ ہاتھ تھر تھرم بھی مس مس کر رہے ہو رہے تھے۔ نبیوں نے مرنے کی بات سے
 افسر علی سے شائے پر ہاتھ رکھا، ہاتھ ام اعتبار میں رب سے تیرے قیامت سے ان کا
 ذکر کروان الفاظ میں کرتا ہے کہ "وہ دن جو بچوں کو ہڑھ مارے گا۔"

ایک ماں قیامت سے گزرتے تو وہ تو بڑا بچہ، ہر قسم کی باتوں سے گزرتا ہے۔

وہ ایک جذبہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ برائی سے ہرگز ہار نہیں مانے گا۔ اس نے کہا۔
عزم کیا۔

♦ ♦ ♦

ارباب علی کی کٹھن کھلی تو بڑا حیرت ناک قسم کا منظر سامنے تھا۔ وہ ایک دم بھونپ کر رہ گئے۔

فاخرہ خانم ہنسنی جانے نہ رہیں یہ چادر میں لپٹی، ہاتھوں میں تسبیح دھکائے اور ہاتھوں سے چہرہ اچھپائے بڑے خضوع و خشوع سے اُٹھ اٹھ رہی تھیں۔

ارباب علی نے ہاتھ بڑھا کر اپنی ریست و بستی اٹھا کر دقت دیکھ اور ریست اٹھ رکھتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔ ان کی نظر میں مسلسل فاخرہ خانم کی طرف تھیں جس میں الجھن بھی تھی اور نیاز ماننے کے استعجاب بھی۔

رمضان میں تو اس طرح کا منظر آٹھ دس مرتبہ دکھائی دیتا تھا مگر عام دنوں میں تو انہوں نے یہی کو اذان کے وقت سرا حانچتے بھی نہیں دیکھا تھا جبکہ وہ بچپن سے ہی نماز پڑھتے تھے۔

ایک لمحہ مہرہ نہیں نے فاخرہ خانم کو شرے کھانے میں متور کرے کی کوشش کی مگر یہ سوچ کر کہ دین میں زبردستی نہیں سب ہے اپنے اعمال کے جو بدہ میں خاموش ہو رہے اور شاید ان دونوں کے شدید اختلافات کی وجہ بھی رجحانات کا فرق تھا۔

ایڈیٹیو خان کی پاتی اور سحرزادی معیہ براس کی بنی تھیں۔ ارباب علی قلم دست علی سے پڑتے اور علی ٹیکے بیٹھے تھے۔ طرز زندگی کا تفاوت ہمیشہ کرب و محال کا باعث بنتا ہے۔

فاخرہ خانم نے کہا کہ میں آئیں۔ مگر علی نے ہنسنے کی بجائے نہ آئی تو شاید ان سے نام نہان میں ارباب علی و محی و مہرہ جانا جاتا۔ ارباب علی اس وقت صرف یہاں سے گزر رہے تھے انہوں نے اپنے عمل بوجے پر اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ یعنی سہل

مہلت تھے۔
فاخرہ خانم کے والد نے انہیں ان کے آفس میں ہی دیکھا اور پسند کیا تھا۔ جس

ساتھیں سارا ارباب علی پر یہ حیرت آمیز انکشاف ہوا کہ پاکستان کے چند قابل ذکر مہرہوں میں سے ایک گھر والوں پر دل و جان سے مہرہاں ہو گیا ہے تو مارے خوشی کے ان کی ٹیڈی ہی اڑھاتی تھی۔ جس مقام پر پہنچنے پہنچنے نہان کی ایک عمر تمام ہو جاتی ہے وہ ابیں پک جھپکتے میں حاصل ہو رہا تھا۔

فاخرہ خانم کے گھر والوں نے یہ بات ان سے چھپائی تھی کہ ان کی بیس ساہستانی نوٹ گئی اور ان کے ساتھ سنگیتر نے ایک فریج دوشیہ سے شاہی کرلی اور اس صدمہ سے کی جس سے فاخرہ خانم دنگی سرایت کی طرح پٹنگ سے لگی جا رہی ہیں۔

ارباب علی بہت خوبصورت جوان تھے۔ پورا قد و قامت، مضبوط جسم، رنگ کی میں آگے بڑھنے کا بھرپور جذبہ، ہر دم کسی چھٹی امید سے چسپائی۔ نکھیں سب کچھ تھا ان کے پاس سوائے بے حساب دولت کے۔ اس پوراں پر سہٹی یتیم دل سے راضی نہیں تھیں وجہ دینی، حول کا فرق۔ مگر بیٹی کی خوشی کی خاطر انہوں نے دس بڑا کر لیا۔

شاہی کے بعد کچھ عرصے تک فاخرہ خانم ڈپریشن ہی میں رہیں مگر ارباب علی کی محنت اور بھرپور توجہ سے آخر کار سنبھلی گئیں۔ سس سر کے کہنے پر انہوں نے شاہی کے بعد تقریباً چھ ماہ پرپ میں گزارے۔ ماحول کی تبدیلی بھی مزاج میں تبدیلی کا باعث بنی۔

اور یوں فاخرہ خانم اپنی فطرت پر دوبارہ لوٹ آئیں۔ ظاہر پرستی مست تھی دیکھنے میں ارباب علی ان کے سنگیتر سے بہت زیادہ اچھے تھے۔ جب وہ بہت چھٹی طرح تیر ہو فاخرہ خانم کے ساتھ چلتے تو وہ بہت پالاؤں میں۔ شاہی طور پر اندر بیت تھیں مچلتی کرس کا ساتھ سنگیتر ان کے شاہی ہو دیکھے اور اس سے اندر دھن کی گت محراب تھے۔ دریاں کی ناوقت بہت پہنچے جھپکے۔ سہل سے اس کے۔ مہرہ پرستی تھی اور

شاید یہ بات چل کر اربابِ حق سے مانگنے پر کچھ دبا کر کرنے کا باعث بنی۔ اور یہاں
تیسرا خوبصورت عورت ہے جو وقت کی کل پر داشت کر ہی نہیں سکتی تھی۔ اربابِ حق
نے پیچھے تو منگلی ٹوٹے سے زیادہ بے لوثی کی بات تھی۔ اس عمل سے ان کے مابعد
منگیز کو کتنا ریفیق ملتا ہے جو بوجھ بھاری ہے کہ وہ جانتی ہے۔

ربا بھلی بے چینی کا پلہ پالے کے بعد کسی تبدیلی کا سوچتا ہی چھوڑ
دیا۔ میں احساسِ ذمہ داری ٹوٹ ٹوٹ کر بھر رہا تھا وہ اپنی اکلوتی بیٹی کے لئے
سب مل کا بار اٹھاتا رہتا تھا۔ میں یہ گاڑی کسی۔ کسی طرح آگے بڑھتی
رہی۔ آج یہ وہی اور جوشہ تبدیلی نہیں اپنے سر پہ حاصل تھی۔

وہ دواش روم کی طرف بڑھے تو کافی ماحول میں پہنچ کر چہرے سے ہاتھ بندھا۔
 درجہ دو سبیلوں کے درمیان میں اور چاہے نہ رہتے کہ وہ گئے۔

”خیریت ہے ناں۔۔۔ آج صبح صبح اٹھ میں۔۔۔“ ربوہ سلی سے رہا نہ گیا
 پوچھ ہی بیٹھے۔ ایک اچھی تبدیلی کا اثر ان کے اپنے لب و لہجہ میں تھا۔ یہ تو بہت بڑی بات تھی۔

”جی.....! خیر مت ہے...! آپ لازماً پڑھ کر چائے پیئیں گے۔“

وہ کہتا وقت نکال رہا ہے۔ سوچو ہے تو خاموش رہا جی۔
یہ وقت ہی رہی ہوئی، صیغہ ہے اور میں نہیں گئے۔

فلا وحده۔ اوتے والے پر ہاتھ نہ آتے تھے۔ بڑا بڑا لکڑی۔ چاہے مارے اچھے
 سے۔ یہاں تک کہ وہ ورگیدت کرنے لگے تھے۔ وہ اپنی ہی پر
 لکڑی کے سامنے بے سودہ بنی تھی۔

میں نے اس کے لئے کچھ نہیں کیا۔

131

پتہ پہلے گزرا وقت یاد کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر سر نہ اٹھایا۔ وہ تھکا ہوا تھا۔ پتہ
رہا کی کوئی اپنے حال پر مبنی۔ وہ ایک جھیل سے اٹھ بیٹھی۔ زبان بھر دی طرف
اٹھ گیا۔ پھر تکلیف دہ سوچیں متاے لگیں۔ وہ سر تھام کر پھر سے ستر پر گر پڑی۔ چہرہ
وہ اس سے ایک شدید صلب جھانک کر مسکراتے جی تہہ مقام سے کسی تھا۔ وہ
اٹھ اٹھ اٹھتی۔ آنکھیں موند لیں۔ اس قدر سستی کا غلبہ تھا کہ اس چاہتا تھا کوئی اس سے بے
سہارا کر دے۔

میں ازل سے۔
 فاحرہ خانم کئی مرتبہ جہانک کر جا چکی تھیں۔ یہ کہیں سے روادار آئے۔ وہ ہمیشہ
 کمرے کی آوار پر یعنی نے سیدھی ہو کر رہے دیکھ۔ وہ اپنے پڑتے کی ایک دھڑلہ
 بھی۔

بھی۔
فاخرہ خانم اندر داخل ہوئیں درد و اندوہ دیکھ کر روتی ہوئی عکس کے دروازے کی طرف
فریاد ایک سیکنڈ کے لئے یہی پر سے نہیں ہٹیں۔
یہی بھی مجرموں کی طرح نظر کرتی رہتی تھی۔

یہ بھی محرموں کی طرح نظر چرات تھی۔
فاخرہ خانم اس کے قریب آکھڑی ہوئیں۔ اب کا بیٹھے کا موٹا طر نہیں آتا تھا۔ وہ
بے کڑے تیور سے ہمیں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

اپنے دوستوں کے ساتھ میسٹ ٹوگیدر میں تھی۔ تھوڑا ایٹ ہوئی تھی۔
 'اے کڑے پیوروں سے کسی کی طرف پھرتی ہیں۔'
 'یہی ارادت ہاں تھی۔' انہوں نے سر اُپر نگت بچے میں سواں کیا۔
 'اے وہ نظریں چرا کر یوں بولی جیسے عام کسی بات کو کہتی ہو۔'

شاہد ۲ "وہ نظریں چرا کر یوں بولی جیسے عام کی بات کر رہی ہو۔"
شاہد ۲ "جی نہیں کہہ رہی ہیں۔ تم کہتے ہو جی گھر آئیں
میں نے شہید عجب سے کام پتہ ہوئے اسے کچھ بتاتے ہوئے کہا
یعنی خاموش رہی۔"

آئی، بشری رہی مولا صاحب خلیا تھیں یہ طبعاً بھی بہت ہوتا ہے۔ یہ کہ جو چاہے

کر سکتے ہیں۔ اسی لئے وہ کسی تہاء سے نہیں گزری تھیں۔
 "آج کے بعد تم اس گھر سے ہر گھنٹے جاؤ گی۔" انہیں تو زوروں کی سمجھیں
 مردانہ رنگ کر کے روزانہ پر لڑکھٹا پھرے تو دو گوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔
 ایک لڑکی ہے یہی۔ "کوئی نعمت ہم نے تجھے پروا دے نہیں کی۔ پھر کسی بات
 تمام سے رہی ہے ہم سے۔" "دیکھ تو اس بات کا ہے کہ تو اتنا نادار دست درازت سے
 گزری گی۔"

"لیڈی میرا جان لو اسی صاپاں ٹیٹن نامور سیاہی خاتون جن کا ٹیٹن
 ملاحظہ میں ہوا۔ اتنی مضبوط عورت جس کے سامنے مردوں کا پتہ پالی ہوتا تھا
 اس نوری کا سہ ایک دو لگے سے ڈر سنے کا پایا ہے۔ افسوس اس بات کا کہ میں اس
 اور ہوا کر اپنے بچے میں غنڈک بھی نہیں کر سکتی۔ تیرا نام ایک ہی خوار میں کیا ہے
 یہ لڑکی بھی نہیں رہی۔" "اس عمر میں تیرا پاپا مجھے طلاق دے گا سو ساری عمر جو
 سے بچھا چھڑے گی یہت کے رہے۔"

"میں اس چادر و تھاو خان کی کھال تاروں بلک سے فوراً پتلی رہا چلا۔
 خوف سے کہ تیرا پاپا۔" "تھو جا۔" اسے کچھ پتہ نہ چل جاتا۔ "وہاں تو ہیں ہیں
 وہ ہیں ہیں، میں اب انہیں پھرنے لے اس کی طرف، کیے ہی تھی
 "ہاں۔" اسے "ہاں" پارٹ کرٹ کا تھا ایک سے میں مدد حاصل کیا تھا
 "میں۔" وہ "ہاں۔" وہ "ہاں" کا غصہ ظہور لے رہے تھے
 Shucked کی پتلی پچھ کی

وہاں۔ افسر علی نے Red Handed پکڑا۔ اسے میرے سامنے
 لا کر۔ "اسے تو میں۔" یہ "ہاں" میں ہے۔ "ہاں" ہی ہم۔
 "اسے یہ سارا۔" "اسے" "اسے" میں نہیں یا۔ "کوئے" یہاں۔

"بے عبرت۔" اتواتی منہ کی ہچی ہے۔ "تجھے نہیں پتہ یہ ڈر تک کرتا میں ہوتا
 ہے۔" "لاڑکی واد ہو کر تیری اتنی جرات؟" جب تک میری ہمیشہ ہو گیٹ تک
 کی ہیں جانے کی۔ "انہیں تو زوروں کی۔" اب اسی گھر سے میں چھڑا پتی قسمت کو
 "ہاں۔" "انہاں کا اور فلاح و حامی جھٹکے سے اور وہ کھول رہا ہے نقل کریں
 یہی تو سارے وصامت منہ کی مس دیر کی طرف ابھی رہتی رہتی۔
 "لو رخت؟" "وہ چپ اسے ہے وجود سے۔" بہت آنے لگی

"Red Handed" پکڑی یہ تھا تو اس کی ہڈیاں کیوں نہیں توڑ لیں؟
 "میرے جاگے تک تو سے لڑکھٹا تھا۔" میں اس کے منہ پر تھوک۔ "ڈیڑوں کی
 دھت سے اس کی کھال تو اُدھیر دیتی۔" شدت بند ہوتے سے اس کے منہ میں بھیجے جاتے تھے۔
 "وہ وجود میں ایک لاوا سا اُٹھنے لگا تھا۔"

"دیکھنے میں کتنا ہے تو فہم نہ تھا۔" "وہاں چاہے۔" میری بیڈش سے وہ
 اٹھائے میں دیکھ نہیں سکتی۔ "وہ پچھ میں کر سکتی تھی۔" بے بسی کی عینت، وہ سوتے ہی وہ
 پھوٹ پھوٹ کر روئے لگی

"لقد کرے بے عبرت کی حرکت کے نیچے آ کر مر جائے۔" "لقد کرے۔" ہمیشہ سے
 سے منظر اور جاتا ہے۔ "اسے" "اسے" نہا امداد میں اور کوئے ہی تو ہوتے ہیں۔
 اپنے عیب کو "سرا" اٹا ہے۔ اپنی غلطیوں کی طرف تو میں ہی نہیں تھا۔
 "سب سے تو اس پر کی۔" "ظلم و حیا تھا اور وہ دنیا کی مظلوم ترین لڑکی تھی۔"



عطیہ گھر سے خوش و خوش سے گھر میں داخل ہوں ہیں گھر میں وہاں
 تھا۔ نور سے بتایا گھر صاحب کی عیبت نہایت تھیں۔
 یہاں تو معصومی سے سردار بھی مست نہ ہو سکتا ہے۔ وہ حوصلہ تو ہوتا ہے
 "اسے" "اسے" "اسے" "اسے" "اسے" "اسے" "اسے" "اسے" "اسے" "اسے"

تھیں۔ یہاں پہلے سے ایک اور شخص سے سیدھے ہو گئے۔

نئی تہائی کے کچھ میں سوئیں ہیں۔ کیا جہیز سے ہاتھوں ہوتی چاہیے؟
اس کی بات ہے اسے اس کا ہونا ہے۔ وہ فخریہ حامی سے ہوا۔
بہتر سے ہاتھ پھیرتے ہوئے ہیں۔

اس میں اس وقت تو آپ کا پیش ہو جائیں۔ میں سونا چاہتی
ہوں۔ آپ یہاں بیٹھی ہیں مجھے میدا کی فخریہ حامی سے عطیہ بیگم کا ہاتھ
سیدھا ہوا۔ یہاں کی طرح ہے۔

عطیہ بیگم سے چند سے یہاں پر آگیا۔ یہاں پر کچھ پڑا کہ فخریہ حامی پر
سے ہیں۔ اس کی حالت کا "عامر" سے پڑتی رہی۔ وہ عامر ہوں بھائی
ہو تا کو یہ سب "اب" سے ہوا۔ یہاں پر ہوا۔ اس کا واقعی میدا
تھی۔

شاید یہاں پہلے ہی تھا۔ وہ جس سے رہتے ہیں، یہ بھی قلمی مختلف
ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر تجھے پادری کی شیب، اس کی پہلی تہا "عامر" سے
کے "عامر" سے یہاں کی شیب پر مشتمل ہے۔ اس کا یہاں تھا۔

"عامر" سے "عامر" سے یہاں کی شیب پر مشتمل ہے۔ اس کا یہاں تھا۔
"عامر" سے "عامر" سے یہاں کی شیب پر مشتمل ہے۔ اس کا یہاں تھا۔

اس کا یہاں تھا۔ اس کا یہاں تھا۔ اس کا یہاں تھا۔ اس کا یہاں تھا۔

بہتر رہی ہوئی تو اس نے بیٹاری سے سیل آٹھ کر کا کا نام دیکھا۔ پھر ایک دم
بہتر ہوئی۔ فون کی کا تھا۔ اب وہ فون کا سڈ فون کی کہہ رہی تھی۔ یہ نہ کرے۔
جب یہ نہیں کر سکی تو اس کا سڈ فون اور پھر سر ہٹکے میں چھپا لیا۔
رنگ دوبارہ ہوئی۔ اس نے پھر تحس کی حالت میں سیل دیکھا۔ تحاری نے دوبارہ
اس کی تھی۔
اندر ایک شوقی جاگا کہ دیکھنا چاہتے وہ کیوں فون کر رہا ہے۔ اس نے ہاں رہیو کر

"ہیو" اس کی سوار بہت مری مری سی تھی۔
"ہیو کا مرے" ابھی تک سو رہی ہو "تمہارا یا ہے گا" "جی رہی کی
بہتر اور زندگی سے پھر پورا اور سادہ سے نکرائی۔
"اب میرا کیا بننا ہے" جو بیٹا تھا وہ اس چلا۔ "وہ پھر وہ سی تہاں میں جواب
سے رہی تھی۔

"تمہارا کیا بن چکا" "نہی یہ شیور کچھ جھڑکی بنو گا" کیا کر رہی ہو اس
وقت "تجاری اپنے مخصوص لب، اس کے مل بات کر رہا تھا۔
"سوئے کی کوشش رہی ہوں اور تو کچھ کرے کوئی نہیں چاہ رہا" "دو"۔
"عامر" سے "عامر" سے اس وقت سونے کی کوشش کر رہی ہو "عامر" سے "عامر" سے
بچے والے ہیں۔ سوئی گئی تو یہاں کی "عامر" سے "عامر" سے پوچھ رہا تھا۔
"اب" سے "اب" سے یہاں کی شیب پر مشتمل ہے۔ اس کا یہاں تھا۔
"عامر" سے "عامر" سے یہاں کی شیب پر مشتمل ہے۔ اس کا یہاں تھا۔

اس کا یہاں تھا۔ اس کا یہاں تھا۔ اس کا یہاں تھا۔ اس کا یہاں تھا۔

ہے خاندان اور شرف و انوں جگہ ہے۔

میر حیات ہے ہاں اگر کافرق یہ کچھ خاص تو نہیں اگر یہ شان
حق ہے تو چوں سمجھتے داہوں کی سیٹ میر ج ہوگی یہی شادی گردن ساں پہلے ہوتی تو
ڑکا شیش ساں کا ہوتا اور یہ میں سال کی اور اس وقت لوگ کہتے کھل اچھا لگ رہا
ہے۔

عاشق ایک قیمت ہے ہاں اور پر کیٹکل، کف سے اس کا بہت اہم تعلق
میر مشورہ ہے آپ برس میں کو پر فیرو بیچتے دوسرے رشتے میں یک
قیمت یہ بھی ہے۔ لڑکا بدیہ سے دوسرے چھوٹا ہے لڑکی تیس برس کی عمر میں بہت بچہ
ہو جاتی ہے اور مرد کی غنہ میں سال عمر کا بچہ بھی نہیں۔ شاداب علی اپنا واسے دے کر توبہ
اور سجدہ کی سے کھانا کھائے میں مصروف ہو گئے۔

اس کی توجہ ابھی تک ہارے خانہ کی طرف نہیں آئی تھی۔ فوراً کالکلیوں میں رہائے
سائن طرف بہت سوہتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

عطیہ بیگم تو بیٹے کے قطعی مشورے سے جد گہری سوچ میں آگئی تھیں۔ ان کا
اصول بھی ماحولہ کی طرف آیا تھا۔

ہاں میرے حساب سے تو یہ داہوں رشتے ہی بہت جتنے ہیں مجھے
"سے تو ایسے بھی بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ ایک رشتہ بدیہ کے لئے طے ہو جاتا
تو اور آپ کسی کے لئے دیکھ لیجئے" وہ اتنی آری میں جہل بارو میں، کو یا فن چڑ
ہیں۔

ہاں میں نے اپنی جگہ بھانپنے سے اپنے سائن شکل نکلتے کے۔ عطیہ بیگم کی تو
حقیقت بہت ہی غیر حالت تھی کہ کیا ماجرا ہو گیا کہ ایک چھوٹا سا گورنمنٹ فرائم بھی آج
کامل تو اس سے خوش سے کا ہے وہاں سے اس نے اپنے گاتن تو پہلی پور پہلی ہی
مدن ہوئی تھی۔ وہ پورے معنوں میں بدلی ہوئی تھی۔

"پندرہ بیس ہزار کے نوکر کی طرف دیکھ رہی ہو تو یہ اسے مسر علی میں کیا برائی
ہے؟" اوساں میں ہوتے ہی کہیں تک دیر نہ تھیا۔ آئی سید ذرا ناراض ناراض
رہا۔

"بہنی افسر علی کے بس کی ہیں ہے ہاں اور بہت سیدھا بچہ ہے میری نظر
میں چند بہت اچھی لڑکیاں ہیں میں افسر علی کے لئے بہت بھی لڑکیاں جو
سے زندگی میں ہر طرح کا سکون دے۔"

عطیہ بیگم اور ارباب علی حیرت سے نکلیں پھر ٹرے ہارے خانہ کی طرف دیکھ رہے
تھے۔ افسر علی کے لئے انکار تو شروع سے تھا مگر آج انکار کا غدار قطعی مختلف تھا۔ منہ سے
ایک ایک حرف سے افسر علی کی حیرت اسی کا جذبہ چمک رہا تھا۔

عطیہ بیگم تو یہ بھلا کر کہ پھر نکلا ہے بہو پر صدقے اور قربان ہونے لگیں بلکہ
شرمندہ ہوئیں کہ نبوں نے بہو سے اتنا بگڑا کیا وہ تو مسر علی کے لئے لڑکیوں پر نظر
رکھے ہوئے ہے اور وہ اس کے خلاف کیا کیا سوچتی ہیں۔ اپنے خیالات پر بڑی غامت
محسوس ہوئی۔

ارباب علی کو اگر حیرت بہت تھی مگر وہ خاموشی سے کھانا کھانے میں مگن تھے حیرت
تو آج مسر علی سے تھے مگر کچھ سمجھ میں آ رہی تھی۔ تبدیلی معنوں نہیں بہت ہی تھی اور بہت
محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ نہیں مسر علی کا اصرار آیا۔ وہ کھائے کی ٹیبل پر مودھ نہیں
تھا۔

"افسر علی کھانا نہیں کھا رہا؟" حیرت "ارباب علی سے فارغ حاتم
طرف فوراً دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کچھ نہیں ہے۔ نوکر بتا رہا تھا کہ اس کے کاکر سے کاکر سے ہارے
خانم کے ہی کے عطیہ بیگم نے جواب دیا
فارغ حاتم تو چوں منگی نہیں مجھے راحت سے محروم رہا۔ چنانچہ اس کے گاتن سے

جس کو نہ سنا کی دیتا ہے نہ اس کی توجہ بکھرتی ہے۔

”فاخرہ کی طبیعت اچھی نہیں ہے ارباب علی...! میں نے تو بہت کہا اور نہ پاس چلے و مگر یہ نہیں مانتی کہ میں غریب سوہاؤں کی خودی۔“

”چند ہے...“ ارباب علی فاخرہ خانم سے پوچھنے لگے۔

”نبوں نے ہی میں مردوں ملا کر سوپ پینا شروع کر دیا۔ وہ بھی اس انداز میں مگر سوپ میں سوپ لگی تھیں چند سے چچ پنڈہ مرد تھیں پھر پیتے لگی تھیں۔“

ارباب علی کو وہ آئینار مل سی محسوس ہو میں مگر ہوں نے ماں کے سامنے یہ خیر خیریت سے احراز کیا کہ جو کچھ بھی پڑ چھا تھا جسے بیزاروں میں معلوم کر میں گئے۔

”ماں! آپ میری بات پر قہر دیتے تھے گا... میں سیر میں ہو کر آپ سے کہہ رہی ہوں... ہر یہ کارشتہ تو کسی ایک سے طے ہوتا ہے ایک شہر تو واپس لوٹنا ہوگا

وہیں مت لوٹنا بیٹھی کے لئے، کچھ سے... مردوں عمر میں نے دیکھی ہے اس کی تو کمائی اور شرافت دیکھی جاتی ہے۔“ فاخرہ خانم خامسے توقف کے بعد یوں گویا ہوئیں جیسے اتنی دیر سے اسی نکتے پر غور کر رہی تھیں۔

وہ بولی تھیں کہ ہم پھٹا تھا۔ ماں بیٹا اپنی اپنی جگہ مل کر رہ گئے تھے عمر کے تقاضے کو نظر انداز کر کے گویا وہ بیالیس سال کے مرد کے ساتھ بھی بیٹھی کی شان ہے۔ پر میگری تھیں۔

اب ارباب علی نے ان کی طرف یوں دیکھیں کھول کر دیکھ تھا جیسے کچھ جان کر ہی دم میں گئے۔ ایک یا مصیبت آئی کہ ان میں میں سب کی ایک کی شادی بیالیس سال کے مرد سے کرنے پر رضامند ہیں۔ عادات نا پسندیدہ سبکی، نافہ ماں و پردہ ہی سبکی آخر ان کی اکلوتی اولاد ہے۔ وہ اس کی شادی باہر کر کے رہ سکے کیوں نہیں...؟

فری علی کا ہنا ہے وہ اس کو اب آپ کے کسی غم کو ہم پر کی پونگی کیوں تھا میں۔

”نبوں نے“ ہنسی سے فخرک اور اسپون پلیٹ میں رکھ دیجئے۔ گو وہ سے نیکیں اٹھا کر ہاتھ

صاف کرے گئے۔ نظریں فاخرہ خانم کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

”وہ میری کلوٹی بیٹی ہے مجھ پر بوجھ نہیں ہے... میں باہر کیوں دینے لگا؟“

جب ایک بہترین سنان جو میر پتا سے میرے اختیار میں ہے... مجھے یوں کی شادی نہیں اچھی لگد ہونے کی بہت خوشی ہوگی لیکن جو خوشی فسر علی کو دلا کر لٹے وہ کہیں اور شادی کرنے سے نہیں ملے گی۔“

”فاخرہ خانم! آپ اس طرف توجہ دیں... یہ میری آپ سے درخواست ہے۔“ ارباب علی نے فاخرہ خانم کے چہرے پر پھینکی۔ ”مرد کی اور انتہائی رنی کے تاثر کی وجہ سے بہت آہستہ نرم اور وہ ستانہ بچے میں بات کی۔“

اس وقت سب کی تمام حسیات یکساں رہاں ہو کر یقین دہا رہی تھیں کہ آج کی تاریخ میں فاخرہ خانم نے غصہ نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ آج جو کچھ وہیں میں ہے ان کے سامنے بے فکری سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ آج صرف سماعت ہوگی کسی امداد کی دو تین پیشیاں اور وہیں تو فیصلہ پسند کے مطابق ہو جانے کا قوی مکان ہے۔

”ہاں ذہن...! واقعی تم اس طرف دھیان دو۔“ علیہ بیگم کے تودل کی بات تھی۔

بے اختیار بیٹے کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

”اماں! آپ لوگ فسر علی سے بھی تو پوچھیں... پڑھا لکھا ہوش مند لڑکا ہے اس کی اپنی بھی تو پسند نا پسند ہوگی...؟ اسے بھی تو انکار اقرار کا حق ملنا چاہئے۔“

فاخرہ خانم کو ایک دم بر محل جواب سوچھ گئی جو اتنا مدلل تھا کہ درحقیقت دونوں ماں بیٹا خاموشی سے ہو کر رہ گئے۔

”یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں...! اماں پتہ کر لیں گی۔“ ارباب علی خامسے مطمئن نظر رہے تھے۔

آج عرصے بعد بیوی ساتھی اور اپنی دکھائی دے رہی تھی ورنہ مدت ہوئی ایک احسانات جٹائے والی سیدھی بات کا اٹکا جواب دینے والی عورت سے وہ نیا ہے چہ

مارے تھے
 عطیہ نگم سوچا رہی تھیں یہ س کے حلال و طیبے کا بیار ہے۔

♦ ♦ ♦

کھانے کی زان س سہ ما سے رکھی تھی۔ سب ہاکھس پسند تھا مگر اندر سے کھانے کی تساہی نہیں جاگتی تھی۔ ایک سہ چھٹی و بنگلی ہی حق تھی
 ٹوٹے تو وہ کہینٹ ہی کہنا پس پاد میں تھی کہ وہ کی ہنا سے بھی داڑی ملی
 س کی در عاب سمان تھا کہ می نے یہ کید رکھ دیا ہوگا کہ کسی کی بولی دوست س سے پس ملے گی اور وہ جو بھی گویا نہاٹ دس پابھی ہو گی۔

سے درخات پشدید مہر سنے گا۔ سب س سوتے پٹھے کی طاقت کی ہجہ سے
 اور تو مئی کے شتوں پابھی پتہ نہ چلتا۔ مئی چاہا س دکی طرح نکل آجائے اور وہ اس پ
 پڑوں چٹک کر آگ کا۔ س چپ او جا تو س کی تھی سسٹ کی ہے۔
 اس کا 11 تو مئی کی سٹھی میں ہوگا۔ وہ تو اسوں نے اسے واپس کیوں کیا
 ہوگا میں س کا یڈر میں نہاٹ رہے تھی کی سے سبب لیتی س کی تو بڑی اپروٹ
 سے۔ س کی پڑوں کا رمنہ پ تو میر مانیں۔

وہ تکرار متغیوں بھی مستقل سے پاد س سٹ کر رہی تھی جس سے ہر حال اندر
 کی بکٹی سب پتھو رہا ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یقین تھا تجاری بہت کچھ کرے گی
 پوش میں ہے۔ ہا حرم اس نے اسے کی کوشش کی تو سے فورس کرے گی۔

سب سے اسم مہدو اس کا 11 مئی کے کمر سے حاصل کرنا ہے
 پتہ میں س ہٹ خامس پر سٹ اس سس کہیں رکھتی میں ۱۱ حیدر تو میں احمڈ ہی
 وں کی میں پتھو رہا کی ہیں۔

بہت بڑی ہوئی تھی۔ میدا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ تاو شہید تھا۔
 س مد ہوشی کی تہا پائل کئے دے رہی تھی۔ اسے آسمانوں پر بغیر پروں کے اڑان

وہ کی تگ بکلی تھی۔ وہ جس دن خوبصورت جہاں جو نام حالات میں ہا پاست ہی
 کی ہو سکتا۔ ایک ڈیا جہاں رنگ ہی رنگ اور ہر رنگ میں چٹک ہر چٹک کے کو دے
 تہا ہی سرست اور سکون۔

یہ مصوگی سہاروں کے عادی لوگوں کا ایک خاص مزاج بن جاتا ہے۔ مئی وہ
 سٹون تک تو نہیں کی تھی مگر ان راستوں پر قدم تو پڑ رہے تھے۔ شہید بنگال شہید
 میں و غصب اس وقت تک کہ جب تک اپنے مطلب کی شے حاصل کرنے میں
 بہت مدد ہو جائیں۔ ایک انسان کی مدد ہوش اسکون اس سے تعین رکھے و لے ہر دے
 وہ سکون کر دیتا ہے۔

یہ دنیا کے خود غرض ترین انسان ہوتے ہیں۔ انسان کہتا تو انسانیت کی تہین ہے۔
 یہ مغربیت ہوتے ہیں جہاں پاسے جائیں، حول میں قبرستان کے سائے مار دیتے
 ہیں۔

اس کا بیجاں بڑھتا جا رہا تھا۔ اسے ہٹ ماس ڈیا میں س سے بڑی دشمن نظر آ رہی
 تھی۔ اس کی شکل سے بھی نفرت محسوس ہو رہی تھی کبھی غصب کی بہرہ کی طرف جاتی
 مئی نورخاں کی طرف غصب کی شدت سے شریا وں میں قیامت برپا ہو رہی تھی
 اس نے ایک دم کسی خیال کے تحت اپنا تیل اٹھایا۔ وہ عجاری کو کہینٹ کر رہی تھی۔
 جاری سے فوراً ہی کال ریسیو کی تھی اور بہت واہانہ در گرم جوش بھی میں خیر مقدم
 پاتھا۔

بہت دور ہو رہا ہوں آج تو تو بھی نہیں ہے دو دن کے لئے اسلام آباد کی
 سے آ رہی ہو ۱۱ ایک دم شروع ہو گیا تھا۔

میں نہیں آ سکتی جاری ۱۱ اس وقت تو تم مجھے سبب کرو فارگا آئیے۔ وہ
 مجھے التجا کرنے لگی۔

ہو ۱۱ کیا چاہئے ۱۱ مئی میں کس قسم کی سلب ۱۱ وہ س مارے

مدر میں۔ تارہ تارہ جس سے یہ تو مدارہ ہو رہا تھا کہ 'آؤٹ' نہیں ہے۔

مجھے وہاں چاہت ہے۔ وہاں سے ہر ک بون۔

نوتہ وہاں سے کہ نکال دیا ہے۔ "وہاں سے یادی سے جو سدا

بتا تو رہی ہوں کہ تیس نکلی بڑی سخت ٹریڈی ہو گئی ہے فوں پر میں بتا

نکلی پتھر کسی طرح بھیج دو میں تکی ڈپر ہنڈ ہوں کہ بتائیں سستی فوراً

سونا چا سکتی ہوں پتھر جاری

نکلی تری۔ سیکس طرح کرو گی "وہاں سے بھٹ میں پڑ گیا تھا۔

یہ کرنا تم گھٹ پیٹ میں بھیج دو بتا اور مجھے بتا دینا میں گھٹ تک چل جاؤں

گی "وہاں سے ہر روم روم سے دوں گی تو وہی کوئیں بتائے گا میں ہوں

اوس کی کہ میرے دوست کی طرف سے گھٹ سے گا وہ مجھے دے دینا اور مکی ہر کھڑ

بتانا "وہاں سے رکھو گے تو، ایسے ہی چپ ہوا ہے گا

مگر یہ تو بتا دے تم "کیوں نہیں سنتی "ہو یہاں سے "اپنی ہی گھر میں

کیوں قدم ہانگتی ہو "یہ تمہارے کارپائیشن میں گھر نہ سب ٹر سدن کے

کرنا رکے میں "ہاتھ تو نہ "تیری جیسے "میں بدے "میں کے پاندا قید

ہونے کے اس میں سے عت نہیں سورتی تھی

"کہ تو رہی ہوں "انگی میں ہنڈ میں نا سلی "وہاں سے ہو تو ٹھیک

اور "وہاں سے کون مات۔ "وہاں سے مجھے "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے

بہت "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے

ہیلپ نہ "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے

ان تھی۔

"وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے

میں تمہیں تمہارے گھٹ پر چکی "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے

میں تمہیں تمہارے گھٹ پر چکی "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے "وہاں سے

اد کے "وہاں سے "وہاں سے

"وہاں سے "وہاں سے

"مگر میں یہ جانتا ہوں گا کہ تم ایسے گھر سے باہر کیوں نہیں "سستی "میں

تمہیں پر اپر ہیلپ کرنا چاہتا ہوں میری قوم کی گڑیا "وہاں سے "وہاں سے

کہہ رہا تھا۔

"میں تمہیں ضرور بتاؤں گی مگر ابھی نہیں "وہاں سے "وہاں سے

کر رہی ہوں۔ "اس نے یہ کہہ کر سیل آف کر دیا اور ایک طرف بیٹھ کر بھر پور

توڑی

ایک اشتہار بڑ پرکشش تھا وہ ٹھہر گئی، اشتہار ختم ہوا۔ یہ کسی پرگرام کا تھا۔
اشتہار ختم ہوتے ہی پرگرام شروع ہو گیا کوئی ٹی وی پیسے ہوئے تھا۔ ٹی وی پرگرام
میزبان شو رقیص اور ویسٹ کوٹ میں بیوس تھا۔

یعنی نے ایک سیٹ کی تاخیر کے بغیر چینل بدل دیا۔

”ہونہد! موسوی جھکے اوقاف کے تنخواہ دار۔۔۔ خود دعوتیں اور ننگر کھاتے
ہیں اور چہ جے ہیں پبلک نمک سے روٹی کھائے۔“ بیٹی کا موڈ آف ہو گیا۔ اس نے
TV آف کر دیا، ورک ک کی طرف دیکھ کر پھر بے قراری سے ٹہننے لگی۔

”اوہ! مانی گاڈ! یہ جی زی کہیں بھوں تو نہیں گیا؟“ ایسا تو نہیں کہ پنے
بیڈروم میں بند شوق کر رہا ہو۔“ اس خیال ہی سے دس بیٹھ گیا۔

اس نے بے اختیار اپنا سیل اٹھایا اور جی زی کو ڈائل کرنے لگی۔

کال فوراً ہی ریسپونڈ ہو گئی۔ جی زی کی آواز ساعت سے نکلی۔

”بس تقریباً تمہارے گھر سے پانچ منٹ کے فاصلے پر ہوں۔ تم گیٹ تک
پہنچو۔ او۔۔۔ کے؟“

بیٹی کے وجود میں بھیس سی دوڑ گئیں۔ اس نے سیل رکھا اور آہستگی سے دروازہ
کھول کر باہر لابی میں آ گئی۔ چوروں کی طرح چاروں طرف دیکھا۔ ہر دروازہ بند ملا۔
اس نے سکون کا سانس لیا اور جلتے پیر کی بی کی طرح آہستہ آہستہ اسٹیپ: ترنے لگی۔

بڑے سے لاؤنج میں پہنچ کر اس نے ایک مرتبہ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ اور تو کسی سے
حشرہ نہیں تھا بس افسر علی کی طرف سے کھڑا تھا۔ اکثر وہی گھر میں دھرا دھر گھومتا
نظر آتا تھا۔

چند لمحوں میں لاؤنج میں کھڑی رہی اور ہر طرح سے اپنی تسلی کر کے باہر نکل آئی۔ باہر
آتے ہی اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ گیٹ آنے والی کار کی روشنیوں سے چمک رہا تھا۔
او تقریباً بھاگتی ہوئی گیٹ تک آئی۔

چند لمحوں حسین تصورات میں کھوئی رہی۔ پھر کسی اصرار سے چونک کر اٹھی اور
کھڑکی کا پردہ اٹھ کر باہر جھانکا۔ ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ تیز روشیاں گل ہو چکی
تھیں۔ پورچ و رات میں ہلکی روشنی تھی۔ واقع میں کے سین میں بھی اندھیر تھا۔

چند لمحوں کے بعد وہ بیٹی کے درپے پرس میں سے ہزار کا نوٹ نکال
کر منشی میں دیا۔ ایک ایک لمحہ بہت بھاری تھی۔ اس نے اپنا سیل اٹھ کر غور سے دیکھا
کہ کہیں غلطی سے اس نے آف تو نہیں کیا ہوا۔ پھر مطمئن ہو کر دوبارہ رکھ دیا اور کمرے
میں ٹپٹپٹنے لگی۔

وہ پوری شعوری کوشش کر رہی تھی کہ اس وقت کوئی تکلیف نہ خیال اس کے ذہن
میں نہ تے پائے۔ تے دے وقت میں۔ خبری کے حساس سے اس کی رگ رگ
میں خوشی کا حس تر تھا۔

اسی طرح آٹھ گھنٹہ گزر گیا تھا۔ آیت نے اس نے آگے بڑھ کر ۱۸
آن کر آیا اور چینل بدسنے لگی۔

کار کی سوجھ بوجھ اور محسوس کر کے سہرا پر عمارت کی پے کیس سے نکل آئے۔ اس کی
میں دو ریٹ کی طرف تھی۔ ابھی یہی کہ اس کی نظر نہیں پڑی تھی۔
اسی رات کی طرف بھی تو وہ متوجہ ہو اور بڑی حیرت سے اسی کی طرف دیکھے

”سہراب خان...! ہا ہر کوئی میرے لئے گفت لایا ہے... میں ادھر ہی کھڑی ہوں۔“

”آؤ...“ یعنی نے سرگوشی کے انداز میں اس سے کہا۔

”گفت...؟ اچھا... اچھا... گفت...“ نیند کی جھونک کھا کر اٹھا تھا اس لئے

بچنے میں ذرا دیر لگی۔

”ام چاہتا ہے آپ دھری ٹھہرو بیگم صاحب کا آرڈر ہے ام مجبور ہے ورنہ تو آپ بھی امارا مالک ہو۔“ سہراب صاحب فید کی تندی سے بے بس ہو کر آدھا حاضر آدھا غیر حاضر تھا۔

اس نے زیادہ گہرائی میں جا کر صورتِ حال کا جائزہ نہیں لیا، ورنہ کسی کا خزانہ روپے کا ڈنڈ بچ گیا

سہرہ خان نے گیٹ کی کھڑکی سرکا کر باہر جھانکا اور دیکھ کر ہنسی مچا دی۔
 - بس سہرہ خان میں ہنسی کی غلطی سے بھی حجازی کی طرح لگتا ہے۔ اور وہ سہرہ
 خان کے سامنے فیہریت چہنما شروع کر دے۔ یہ بھی میں نے نوٹ کیا تھا کہ
 غیر ملکی جگہ بڑے کھلے ڈھلے سے ہوتے ہیں۔ یہ بات اپنی بات سے غرض رکھتے
 ہیں۔ غیر غمزہ کی غصیدت کی طرف تو غیر متوجہ رہتے ہیں۔

”یہ ڈارٹ مس۔ مکی کو پہنچا۔۔۔ کسی۔۔۔ نا۔۔۔ کے۔“ حجازی
کی ہار گئی۔

جی صاحب! "مہراب خان نے گرجا میں پھرانے والے نذر میں جواب دے کر کمر کی کاپٹ سر کا کر لاک کر دیا اور غور سے گفت پیب دیکھنے کا جوخہ بصورت

پینک کے ساتھ گھٹ بگ میں سے مگر جیسے اس نے کچھ پتے تیس پر اس — ہے ہاں
سے یعنی کی طرف بڑھا دیا۔

مزعے کی نیند میں ڈوب جانے کے احساس ہی نے اسے ماحول سے بے نیاز کر دیا تھا۔

یعنی تو پیک لے کر اندر کی طرف سر پٹ بھاگی۔ ساری احتیاط ہوا ہو گئی۔ بس اپنے بیڈروم میں پہنچنے کی جلدی تھی۔

حارہ خانم رباب علی کی طرف سے پشت کے لیٹے تھیں۔ بارہ سائے ٹھہرے میں چہرہ
جمع ہوا تھا۔

ارباب علی بیٹ پر جانے سے پہلے کچھ دیر اپنی رائیٹنگ ٹیبل پر کام کرتے تھے۔ یہ آنے والے کل کی تیاری کا ایک حصہ تھا۔ یہ الگ بات کہ آٹھ ان کی توجہ پے کام اور آنے والے دن کے شیڈول کی طرف سر ٹکر نہیں ہو پا رہی تھی۔ بار بار دھبیوں و حرہ خام کی طرف جاتا تھا غیر معمولی خاموشی بہت تعجب خیز تھی۔

برسوں بعد اسکی رست آئی تھی کہ نہ کوئی طنز ہوا نہ ٹھیکہ جسدہ آیا، نہ ڈریسنگ ٹیبل کے
 سینے سے الوداعی بات چیت ہوئی۔ جس کو شب بخیر کہے بغیر وہ کبھی نہیں سوتیں۔ اس
 نے آج کر کے، حوال میں مخصوص قسم کی خوشبوئیں بھی دورہ نہیں کر رہی تھیں۔ یہ
 ذخیرت سے ٹھنکا دینے والا واقعہ تھا۔

اوپر سے نیچل لپ آ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے، اور ایک لمبا خیر کے بغیر قفرہ
جانم کی طرف دیکھا۔

”فاخرہ! آپ جاگ رہی ہیں؟“ انہوں نے کھوج اور تجسس سے نجات کے لئے پہلے قدم اٹھایا۔

”ہوں۔ پس سو رہی ہوں۔“ ”تہوں نے زارا یہ حد سے بغیر مس کے نرا۔“

میں جواب دے۔
”یعنی جاگ رہی ہیں۔۔۔ آپ مجھے پانچ منٹ دیں۔۔۔ مجھے کچھ ضروری باتیں

کہنا ہیں آپ سے۔“
ارباب علی نے ریوٹ اٹھا کر اسپتال کی کوننگ کم کی۔ یونہی قاخرہ خانم کو سکڑا سہا
دیکھ کر انہیں محسوس ہوا کہ شاید انہیں سردی لگ رہی ہے۔
”ہوں! پولیس میں سن رہی ہوں۔“ وہ اسی طرح سریشا نہ کنزوری آواز میں
بولیں۔

”یہ آپ ایک دم سے یحییٰ کی شادی کا کیوں سوچنے لگیں۔۔۔؟ ابھی تو اس کا
۱۷۔ یوں چل رہا ہے کیا اس نے کسی سے کٹ منٹ کر لی ہے؟ لو میرج کرنا
چاہ رہی ہے؟“ در اس کی چوائس آپ کو منظور نہیں؟ کیا ایسا کچھ ہے؟“
”نہیں۔۔۔!“ اتنی تفصیل سے کئے گئے سوال کا نہایت مختصر جواب آیا۔

اب ارباب علی نے بری طرح چونک کر ن کی طرف دیکھا۔ ابھی تک بچے سوچے
ہوئے امکانات کی وجہ سے قدرے ہڈ سکون تھے۔

”پھر؟“ وہ واقعی اب بے بسی کی حد تک ہار مان چکے تھے۔ ان کی عقل نے
ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

”وہ میں محسوس کرتی ہوں کہ اس کی کہنی ٹھیک نہیں ہے۔ زیادہ تر آزاد منش اور
غیر ذمہ دار قسم کے بچے اور بچیاں ہیں۔ ہم جس سرکل میں مود کر رہے ہیں وہاں اس
طرح کے بچوں سے اس کو زبردستی کر کے دُور نہیں کر سکتے۔“ قاخرہ خانم کو بھی احساس ہو
رہا تھا کہ انہیں تفصیل سے جواب دینا ہی پڑے گا۔ رنہ ارباب علی ”تفتیش“ سے باز نہیں
آئیں گے۔

”تو کیا اس کا عدل شادی ہے؟“ وہ ان کی وضاحت پر بھرپور غور کرتے
ہوئے پوچھ رہے تھے۔

”ہاں! اس لئے کہ شادی کے بعد وہ اپنے شوہر کی ذمہ داری ہوگی۔ وہ خود
اسے ہینڈل کر لے گا۔ پھر شوہر اور والدین کے انداز میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بچے
پیش کش سے ہر طرح کا ایڈواہج لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس وقتلی پلیٹ میل کرتے
ہیں۔“ وہ دبی دبی آواز میں بول رہی تھیں۔

”یہ تو بہت پہلے سوچنا چاہئے تھا۔ جن بچوں کو ہر وقت اپنی نگرانی کئے جانے کا
درجہ اب دہی کا احساس ہوتا ہے وہ بہت کانشس رہتے ہیں اور جن کو شروع ہی سے ان کی
مرضی پر چھوڑ دیا جائے وہ کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے۔ بہر حال یہ اتنی سوئڈر یزن
نہیں کہ میں کسی اور رائج بندے سے اس کی شادی کر دوں۔ بہتر ہے کہ کسی انتہائی
قدام سے پہلے میں خود اسے راج کروں اور پھر اس کے ساتھ سٹنگ کروں۔“ ارباب
علی ہنوز غور و فکر کی کیفیت میں ڈوب کر بات کر رہے تھے۔
قاخرہ خانم نے بدحواس ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

”ارباب علی خود راج کریں گے۔۔۔؟“ یہ خیال ہی اعصاب ہلا رہا تھا۔

”پیش“ نے والے جنگلی معرکے؟“ یہ سوچ ہی قیامت تھی۔

مگر وہ اب کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں کہ سارا Load تو ارباب علی نے اٹھانے کا فیصلہ
کیا تھا۔ ان کے ذمے تو کوئی کام ہی نہیں لگا رہے تھے۔ انہوں نے غڈ حال سی ہو کر
دایاں بازو اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔

رباب علی نے ایک نظر ان پر ڈالی اور چہنچ کر نے ڈرینگ میں چلے گئے۔



افسر علی حسب عادت میٹ ٹائٹ میریس میں اسٹڈی میں مصروف تھا۔ یہ اور بات
کہ توجہ ایک طرف نہیں تھی۔ کبھی کوئی خیال ستا تا کبھی کوئی سوچ تنگ کرتی۔ کچھ دیر اپنے
آپ کو دھوکہ دینے کے بعد آخر کار تنگ آ کر اٹھ اور ریٹنگ تمام کر باہر اطراف میں نظر
دوڑانے لگا۔

روزانہ کی ایک ٹینشن سے تو بہر حال نجات مل گئی تھی کہ بچی ابھی تک نہیں آئی۔

"اب آئے گی تو کس حال میں آئے گی ... ؟"

اس نے آج کی تاریخ میں بچی کی شکل ہی نہیں دیکھی تھی۔ سارا دن دروازہ بند رہا۔ اب رات کو بھی دھر سے گزر تو دروازہ بند تھا درگاہی خاموشی تھی وگرنہ دروازہ بند بھی ہوتا تھا تو T.V یا گانوں کی آواز اور جمن جمن باہر گزرتے ہوئے سنائی دیتی تھی۔

وہ مسلسل بک بکتے پر سوچ رہا تھا۔

"نور خان نے کوئی شے چوری نہیں کی ... وہ بچی کے کمرے میں کیوں گیا ... اتنی دیر بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ایک شے میں مدہوش انسان کے ساتھ کچھ بھی کیا جاسکتا ہے۔ وہ کسی قسم کی مزاحمت کے قابل ہی نہیں ہوتا۔ انسان کی سب سے بڑی پاور تو اس کا جانتا ہو ذہن ہوتا ہے۔"

"شاید اسے کسی بھاری رقم کی آس ہوگی جو اسے بچی کے بیڈروم سے نہیں ملی ہوگی ... وہ تو ویسے ہی کریڈٹ کارڈ پر کرتی ہے جیوری کا اسے شوق نہیں تقریبات تک میں جیوری نہیں پہنتی اس کی ذریعہ زیادہ نرمہ نہ ہوتی ہے۔ عام قریب ہو یا خاص جتنے، ٹراؤزر، ٹاپ شرٹ سیولیس اور اس اس کے کمرے کی قیمتی اشیاء میں ایک فلکسٹر C D D V D پیسہ، کمپیوٹر، شاید ایک دوربین اور آج۔" وہ بس تک سوچ پایا تھا کہ اسے قدموں کی چاپ سنانی ہی وہ چونک کر پلٹا دیکھا تو سامنے عطیہ بیگم کھڑی تھیں۔ وہ ایک دم سنبھل کر مسکرایا

"رے ددی جان اب ابھی تک ... میں ..."

عطیہ بیگم نے فولڈنگ ٹیبل پر بٹھری تھیں پر ایک نظر ڈالی پھر افسر علی کی طرف دیکھ کر عجیبہ مگر عام سے لہجے میں بولیں

"پڑھائی ہو رہی ہے کیا امتحان ہونے والے ہیں ؟"

"گیزام تو بھی ذرا ہیں مگر اسڈی تو سنا ہی جاتی ہے میں ایگریم کے دنوں

میں زیادہ نہیں پڑھتا اور نہ دیر تک جاسکتا ہوں نیند پوری کرنے کے لیے دینے جاتا ہوں ایگریم سے پہلے کتاب کھول کر غلطی سے بھی، کچھ تو لگتا ہے مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔" اس نے مسکراترہ دی کو بڑی وضاحت کے ساتھ جواب دیا جیسے ان پر یہ ظاہر کرنا چاہ رہا ہو کہ وہ بہت خوش اور ریلیکس ہے۔

"ماشاء اللہ اللہ جیتا رکھے! اور باب علی تم سے بہت خوش ہے ... تمہیں تو وہ بچے کی جگہ دیکھتا ہے بہت تعریف کرتا ہے تمہاری کہ اماں افسر علی بہت محنتی ہے، پڑھائی میں بہت تیز ہے، ہمیشہ فرسٹ کلاس نمبروں سے پاس ہوتا ہے۔" اچھی بات ہے بیٹا! محنت کرنے والے ہی اچھے دن دیکھتے ہیں ... اللہ تمہیں کامیاب کرے آمین! انہوں نے آگے بڑھ کر افسر علی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بہت پیار سے دعا دی

"شکریہ دادی جان! میں خود اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ والدین سے محروم ہونے کے بعد اللہ نے مجھے بے حد مہربان چچا کی شفقت و محبت سے نور انہوں نے میری رچھائی، مری ضرورت کا خیال رکھا ... میں ان کے احسانات نہیں آتار سکتا۔ افسر علی کا ایک ایک غلط حسرت شکر سے ہریز تھا۔

"نہیں بیٹے اس میں احسان والی کوئی بات نہیں بڑائی کی اولاد بھی اپنا ہونا ہوتی ہے پی ذمہ داری سولی ہے شکر ہے میرے بیٹے نے اپنی ذمہ داری اچھی نا اور نبھایا"

"اس وقت صبح میں تم سے ایک بہت ضروری بات کرنے گئی ہوں پہلے تمہارے کمرے میں گئی تم وہاں نہیں ملے تو ادھر ادھر تلاش کرتی یہاں تک آ گئی۔" عطیہ بیگم نے اب بہت ہی آہستہ آہستہ بات کی۔

"جی آخریت ... افسر علی اندر سے سہم سا گیا کہ آخر اتنی رات کو دادی کی ضروری بات کرے گئی ہیں۔ کیا بچی سے متعلق کسی بات کی بھٹک مل گئی

ہے ۲ کچھ معلوم کرنا چاہتی ہیں۔

بھوٹ بونا اس کے لئے ہمیشہ سے بہت کٹھن کام تھا۔ یہ تو گویا اس کے پھنسے والی ہوتی تھی۔ جھوٹ سے پہلے بہت برقی رفتاری سے ذہن کو تیار کرنا ہوتا ہے اور اس میں یہ صلاحیت مفقود تھی۔ شاید اسی "نکسہ پن" کی وجہ سے فاحرہ خاتم اکثر چڑ کر اس کو "بھوڑا" کہہ کر مخاطب کرتی تھیں۔ اکثر بڑبڑانے کے انداز میں کہتی تھیں۔
"جانے کتنے احمق مرے تھے تو یہ شاہکار پیدا ہوا تھا۔"

"حیرت ہے مینا ۱" عطیہ بیگم کوری پر بیٹھتے ہوئے تھکے تھکے انداز میں بولیں۔ پھر افسر علی وہ دیکھ کر کوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم بھی بیٹھ جاؤ" بیٹھ کر میری بات توجہ سے سنو "پیشانی والی کوئی بات نہیں ہے اس وقت تو اس لئے چلی آئی کہ تم تو صبح صبح گھر سے چپے جاؤ گے پھر دعویٰ شام اور رات دلی بات ہوگی۔"

"جی جی ۱" افسر علی نے کوری گھسیٹ کر اس کے قریب کرتے ہوئے بڑے شوق و تجسس میں "جی جی" کہا۔

اس دوران عطیہ بیگم کے چہرے سے ایک لمحے کو بھی غلظت نہیں بٹائی۔ ندر ایک دھڑک پکڑ جو شروع ہو چکی تھی در فوج میں اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"بات یہ ہے مینا ۱" میری اور تمہارے بچپن دن خواہش ہے کہ تمہاری شاہی یمنی کے ساتھ ہو جائے تمہاری رائے مینا بھی بہت ضروری ہے ماشاء اللہ حوالہ ہو سمجھ رہا ہوں شرمنا بھی تمہارا حق ہے کہ تمہاری مرضی معلوم کی جائے۔"

"تمہارے بچپن کا خیال ہے کہ اس گھر میں تمہارا حلیہ کس کی ہے اب اس لئے ہی سے رہا اور اپنے بچپن کی ذمہ داریاں سمجھاؤ۔" عطیہ بیگم نے اپنی بات کی وجہ جواب کے لئے افسر علی کی طرف دیکھتے ہوئے جگہ جگہ سے پتھرایا ہوا تھا اور ہکا بکا سادادی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو بیٹے ۱" ایسی کیا انہونی کہہ بیٹھی۔ "عطیہ بیگم نے حیران پریشان ہوا لہر پوچھا۔

"کب ۱" کچھ نہیں دادی جان ۱" افسر علی گڑبڑا سا کیا اور خود کو سنبھالنے لگا۔
"پھر بھی مینا ۱" جو جی میں ہے کہو ۱" کوئی زور زبردستی والی بات تو نہیں ہے ۱" اب عطیہ بیگم کے انداز میں قدرے خشک تھی

وہ افسر علی کا رد عمل نظر انداز نہیں کر سکتی تھیں۔ یوں لگا جیسے افسر علی اس بات سے شدید دھچکا کھینچ رہا ہے۔

"یہ بات نہیں ہے دادی جان ۱" وہ اصل میں چچی جان ۱"
"تمہاری چچی کو کوئی اعتراض نہیں ہے ۱" بتاتے انہوں نے یہ ضرور کہا ہے کہ افسر علی جون بوشمس لڑکا ہے اس کی اپنی بھی تو کوئی پسندنا پسند ہوگی وہ بھی تمہارے ساتھ کسی قسم کی زبردستی کرنا نہیں چاہتی بلکہ مجھے تو عجیب عداست سی ہے کہ میں تمہارے معاملے میں ذرخہ سے بہت بدگمان رہی ۱" وہ تو یہاں تک کہہ رہی ہے کہ یمنی افسر علی کے لائق نہیں ہے وہ بہت خود مر اور آزاد خیال ہے۔ افسر علی اسے سنبھال نہیں سکتا ۱" اور میں سے یہ سمجھ رہی ہوں کہ ابھی وہ آزاد لڑکی ہے کسی کی پابند نہیں ہے شوہر بیوی کا معاملہ اور طرح کا ہوتا ہے گھر کا بچہ ہے سب جاتا در بھتا ہے وہی اس کو سنبھال سکتا ہے۔ پردہ بھی رکھ سکتا ہے۔ کہیں اور جائے گی تو خدا نخواستہ ترش بھی بن سکتا ہے۔"

عطیہ بیگم بول رہی تھیں اور افسر علی سر جھکا کر سن رہا تھا۔ اگرچہ حیرت بہت تھی کہ بچپن کے خیالات Over Night چھینچ ہو گئے ۱" مگر چونکہ محرم راز تھا بہت دیر گریں خود بخود کھل رہی تھیں۔ کچھ خاص تر و تیز نہیں کرنا پڑ رہا تھا۔

ابھی چند دن پہلے ہی تو چچی نے ڈاکٹر کٹ دس سے فرحان کے لئے کوشش کرنے کے لئے کہا تھا۔ اس وقت بھی تو وہ ان کے گھر میں ان کے سامنے موجود تھا۔

ایک دادی دی تلخ اور ہلکی سی کاشورنگ رنگ میں ہنگامہ سا کرنے لگا۔

”اوہ! تو یہ بات... خیر... اور تیرے نکاح و تزل من نکاح... یہ ہمارے اعتبار کی بات نہیں... چائے پانے والا... برتن سیٹے والا ایک دم سے تمام معتبر و معزز ہو گیا؟ یہ اس رب عظیم و کریم کی شان ہی تو ہے اسی لئے تو اس نے مایوسی کو کھڑا کیا ہے کہ آنے والے دنوں میں کیا پیش آنے والا ہے صرف اسی کو علم میں ہے۔“

محالہ سے دھیان آیا کہ ایک مرتبہ اس نے کہیں پڑھا تھا اگر کسی کو تکبیر میں مبتلا دیکھو تو سمجھ جاؤ اس کا بردقت قریب ہے۔ اکثر جب تکبیر بگھمنڈ کے ہاتھوں اس کی دل زری ہوئی تھی تو وہ سوچتا تھا ان کا بردقت کیسے ہو سکتا ہے؟ ان کے پاس تو اتنا ہے کہ بیمار پڑ جائیں اور بیماری بھی سنجیدہ نوعیت کی تو یہ تو اسپتال میں ایڈمٹ ہونے کے بجائے اسپتال خرید کر لیٹ جائیں۔

اس نے ایک گہری سانس کھینچی اور ایڑی ہو کر بیٹھ گیا۔ عطیہ بیگم بہت بے تابی سے اس کا جواب سننے کی منتظر تھیں۔ اس کے چہرے پر غور و فکر کے گہرے عکس سے ان کے منہ کا سینہ ڈھنڈلا رہا تھا۔ بوڑھے اور کمزور عصاب سنسانے لگے تھے۔ کوئی اچھی امید نظر نہیں آرہی تھی۔

”اوہ! بات یہ ہے دادی جان! میں اتر پ کی اور چچا جان کی خواہش پر سر بھی تھکا دوں تو کوئی حادہ نہیں... یہی سمجھی رہا ہوں کہ ہوٹل مالکان سے کم حیثیت کے تو وہ دوست بھی نہیں بناتی... اب پائے کے لئے تو آپ سوچ میں اس کا تیز دل کیا ہوگا؟“ اس نے بڑے بڑے اور بڑے بڑے میں سنبھل سنبھل کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

”اے شاؤ! دوست تو پاشا کو بھی جانتے ہیں دوست بنانے سے اس کی ریاست تو نہیں مل جاتی؟ ہماری سمجھ میں تو آج تک یہ وٹڈوں لپازوں سے لڑکیوں کی دوستی نہیں آئی... ہم عمر بچیاں سبیاں ہتی ہیں... اپنی باتیں کرتی ہیں کھیل کود

کرتی ہیں کپڑوں ریوروں کی باتیں کرتی ہیں لڑکوں سے کیا باتیں کرتی ہوں کی؟“ عطیہ بیگم نے بڑی بے ساختگی اور ناگواری سے فسر علی کی بات کاٹ دی۔

”مارچھوڑ نیو زمانے بھر کا تقریباً تیس سالوں میں دیکھو تو یہی کچھ اس کی بیگم اس کے ساتھ اس کی بیگم اس کے ساتھ یہ کسی کو خوش کرنے اور مہمان نوازی کرنے کے نر لے طریقے نکالے ہیں لوگوں نے تم یہ سب کچھ چھوڑ دیا ہے اس کی بدولت

”مے کا دیکھنا سنبھلنا ہمارا کام اپنی ساری دولت کے بدلے فخر کو تھارے جیسا بین کہیں مل سکتا ہے؟ دوست سے اپنے گروپ کا خون تو مل سکتا ہے خون کا رشتہ نہیں مل سکتا... بس تم اپنی کہو۔“

فسر علی ایک مرتبہ پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ذہن کے پردے پر لکھڑائی ہوئی یہی متحرک تھی۔ کبھی نور خان اس کے بیڈروم سے نکل رہا تھا کبھی جی ری جس کو وہ دل ہی دل میں ”جہازی سائز“ کہتے لگا تھا۔ کار کی وٹڈ سکریں کے پار یہی کوڈیکم مسکراہٹ دیتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ بیٹی کی چھوٹی چھوٹی شرٹس، بڑے بڑے گلے، کسی مقام پر بھی تو کیمسٹری صحیح ہوتی نظر آ رہی۔ عمر بھر کی رفاقت۔ اسے تو خیال ہی سے باقاعدہ وحشت ہونے لگی۔

”کیا دپتے لگے بیٹا! ابھی عمر کم ہے لڑکوں میں ہلی ہے اس سے مزاج بڑا بولی پن ہے گھر گھر ہستی کی ذمہ داری پڑے گی تو خود ہی سنجیدہ ہو جائے گی بچے ہو جائیں تو عورت کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔“ عطیہ بیگم نے پریٹن ہو کر اسے قائل کرنے کے جتن شروع کر دیئے۔

”ہال بچے...؟“ فسر علی پھر اپنے دھیان سے چٹکا۔

”مالی گاڈ! اس کے بچوں کی کیسی ماں؟“ اس پر تو جیسے رزہ طاری ہو گیا۔

اس نے خوفزدہ نظروں سے دادی کی طرف دیکھا جو اس کی طرف بڑی آس امید سے اٹھ رہی تھی۔

یہ تیار ہے بچی کی دلی آرزو ہے بہت بڑا کرتا ہے تم سے۔" عطیہ بگم نے پریک پند بھینکا۔
 "وہ تو ٹھیک ہے دادی جان۔۔۔۔۔ امیرا تو بال بال بچا کے احسانات میں بندھا ہوا ہے ور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں مگر بھٹی سے شادی؟" وہ بری طرح الجھ گیا۔
 انکار والی زبان تو تھی ہی نہیں مگر اقرار۔۔۔ اس وقت تو یہ بھی پہاڑ سرکانے والی بات تھی۔

"وہ میں آپ کو بعد میں جواب دوں گا۔۔۔ آپ کچھ دن ٹک جائیں۔" بہر حال اسے بروقت جان پھرانے والا جواب سوچا گیا۔
 "ابھی بات بیٹا اتم ہر طرح سے سوچ لو اتم چچی کے احسانات کی بات کر رہے ہو در میرے دل کی پوچھ تو میں سمجھتی ہوں تم کسی کو پنا کر پنے چچی پر احسان کرو گے اس لئے کہ تمہارے حبیب صاحب بچہ ہی اسے نباہ سکتا ہے ٹھیک ہے پھر تم سوچ کر جواب دے دینا میں بھی دو تین گھنٹے کی نیند کروں۔ تم بچے ٹھنڈا ہوتا ہے اپنی غرض کو بھٹکتی ہوں اپنے بچوں کی خیر مانگتی ہوں اس سے جانے کس وقت سن لے۔" عطیہ بگم خود کلامی کے انداز میں بولتی ٹیریس کی حدود سے باہر نکل گئیں۔

فسر علی کا دامن سنسار ہوا تھا۔ وہ اب اسٹڈی کے قائل کہاں رہا تھا۔ چپ چاپ اپنی کتابیں سمیٹنے لگا۔ خریدے ہوئے عدم کی سی سی کا حساس تھا۔
 جو اس سے سونا پاتا ہے کہ شاید وہ خود کو خواب میں آسمانوں پر پرندوں کی طرح اڑتا ہوا دیکھے اور آزادی کے شعور سے سرشاری حاصل کرے۔

♦ ♦ ♦

اگلے دن صبح کو جب ارباب علی اور افسر علی گھر سے جا چکے تھے تو ٹوٹو کا فون آگیا۔
 خازنہ خانم ماسی سے اپنے سر میں مساج کر رہی تھیں۔ انہوں نے ماسی کو روکا اور اٹھ کر

فون ٹیڈ کیا۔

عموماً اس وقت اس کی کارڈ نوٹس آتی تھیں۔ اس سے تمام قریبی ملنے والوں کو پتہ تھا کہ وہ کس بجے سے پہلے سو کر سیں گئیں گی۔ اس سے سب قس ہوا کہ اس وقت کس نے فون کیا ہے؟
 "ہلو" ان کے انداز میں احتیاطی تھی۔

"ہائے" ٹوٹو بات کر رہی ہوں کیسی ہیں آپ؟
 خازنہ خانم تو ٹوٹو کی آواز سنتے ہی جیسے نیند سے جاگ پڑیں اور تن بدن میں آگ کی لگ گئی۔ بمشکل اپنے اندر سے اٹھتی ناگوری سے طوں کو سبب کر بیٹیں۔
 "میں ٹھیک ہوں" اکیس فون کیا؟

"سنی" میں بھی کسی کی طرف سے بہت پریشان ہوں وہ آپ کر رہی ہے؟ اس کا سیل کل سے آف ہے اس کی طبیعت کیسی ہے؟
 "آپ اس سے میری بات کر دیں۔" ٹوٹو نے بڑے بخت بھرے انداز میں بات کی پھر روست کی۔

"سوری" آپ اب کبھی بھی کسی سے بات نہیں کر سکتیں کسی اور دوست کے ساتھ ناغم دیسٹ کریں۔ سمجھ رہے ہیں آپ کا یہاں کوئی فون اس نہیں آتا چاہئے میں اس کے ساتھ اس کی دوستی کی پرمیشن نہیں دے سکتی۔" خازنہ خانم نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا بلکہ ریسیور ہیچ دیا۔

فون کی بیل فوراً بارہ ہی رینگ ہو گئی تھی۔

خازنہ خانم نے غضب ناک نظروں سے فون سیٹ کی طرف دیکھا مگر کال انڈینڈ نہیں

رنگ مسلسل ہو رہی تھی۔

مسی بولتی سی کھڑی خازنہ خانم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پتے تو کچھ پڑ نہیں سکتے تھے

بہ خانم کا عین غضب دیکھ کر اتنا اندازہ لگا سکتی تھی کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ تھل میں
بھرے ہاتھ ہوں سے کھڑی تھی کب علم ہوا اور وہ اپنا کام شروع کرے۔
رینگ ہوئی رہی ہوئی رہی آخر کار بند ہو گئی مگر دوسری طرف سے نور Redial کر

دیا گیا یعنی سچ کی چپک گئی تھی۔
آخر دنیا کی سب سے تگلی گالی دی گئی تھی۔ ٹوٹو کی تو پوری ہستی میں اٹھا بیچ شروع
ہو گئی ہوگی۔ جواب میں کچھ کہے بغیر اسے جھٹکن کیسے پڑتا۔
فاخرہ خانم نے داست پیتے ہوئے فون کا پلگ ہی نکال دیا۔ دوسری طرف پلٹ
کر دیکھ پھر دور سے اٹھاڑیں۔

”تم کیوں کھڑی ہو میرے سر پر.....؟“
مافی تو حیرت سے مرنے کو ہو گئی اور تھل میں بھرے ہاتھ Show کرانے لگی۔
”وہ جی آپ کے سر کی ماش“ وہ بولتے ہوئے ہٹکے نہ لگی۔
”گوئیل ماش وڈیو جاؤ یہاں سے جا کر اپنا کام کرو۔“ وہ پھر
چل نہیں اور مافی تو گویا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی۔ یہ سوچتی ہوئی کہ شاید نیلیم صاحبہ پر کسی
”جن“ کی حاضری ہوتی ہے۔

”صرف ایک دفعہ دیکھ ہے اس ٹوٹو پھوٹو کی ماں کو..... شکل ہی سے نائیکہ لگتی
ہے۔“ وہ اب گدھے کے کان بیٹھنے لگیں۔

خواب کو غلط سمجھنا اور اپنی غلطی تسلیم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جس طرف نظر اٹھاؤ
الزام ترشی و عیب جوئی کا بازار گرم ہے۔ ہر کوئی اپنے تئیں پاک صاف، معاف و بیضا
ہے۔

فاخرہ خانم بھی لاشعوری طور پر اس بحر میں ڈوبنے لگی۔ دوسروں پر ڈالنا پھارنا
تھیں کہ کسی طرح تو ضمیر کی لعن طعن سے نجات ملے۔



وہ بارہ بجنے کے بعد اب حبیبتہ کر سکیں۔
”یعنی آج پھر کالج کی چھٹی۔“ انہوں نے اس کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑا
دیا۔

یعنی ہڑبڑا کر گھری نیند سے جاگی اور فوراً کلاک کی طرف دیکھا اور بستر سے
چلا نکلا کر اتر آئی۔

”کون؟“ اس نے قیصر کھینچ کھانچ کر درست کرتے ہوئے پوچھا۔

رات تو وہ بے خبر تھی کہ ٹائٹ ڈریس پہننے کا بھی ہوش نہیں تھا۔

”دروازہ کھولو.....! دوپہر کے بارہ بج رہے ہیں۔“ باہر سے فاخرہ خانم کی تھخا تھخا
سی آواز آئی۔

یعنی نے کمرے میں نظر دوڑائی پھر گویا سر پیٹ لیا۔ بوتل سر ہانے ہی پڑی تھی۔
اس نے حلدی سے بیڈ کے نیچے بوتل رکھی اور بھاگ کر دروازہ کھول دیا۔

فاخرہ خانم اندر آئیں اور ایک طائرانہ نظر پہلے کمرے پر پھر یعنی کے سر پہ پر
ان۔

”کیا کالج کی چھٹیاں ہیں؟ کیا کرتی رہیں رات بھر؟ اب سو کر رہی
ہو؟ رات کھانا بھی نہیں کھایا تھا ابھی تک بھوک نہیں لگی؟“ انہوں نے
”بیڈ تو سوالات کئے۔“

”وہ مُمی امیری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے کالج نہیں گئی اسی
بوسے کچھ کھانے کو بھی دل نہیں چاہا۔“ وہ اپنے بال سمیٹ کر نظریں چراتے ہوئے
ان۔

فاخرہ خانم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کے منہ کھولتے ہی ایک تیز بولنے ان کے اعصاب ہلا دیئے۔ وہ وحشت زدہ
راہ گراں کے قریب آئیں اور اس کے دونوں کان دھوپ پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے اور غور

اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ خطبہ کی اچھائی منزلوں سے گزر رہی تھیں۔

”ہاں... اخیر سے باپ کی مرضی سے آوی سے آتی جاتی ہوں۔ اس لئے کہ وہ مجھ سے کہتا ہے میں ایک خاندانی عورت ہوں۔ تو میرے ساتھ چل کر دیکھ کر لگتی عورت کرتے ہیں میری میرے ہاتھ کے بل دیکھ کر بات کرتے ہیں میں اپنے خاندان اور اپنے کردار کی وجہ سے اتنے دھڑلے سے آتی جاتی ہوں۔ مگر میں پیپ عورت ہوتی تیرا باپ چپ چاپ مجھے اس گھر سمیت چھوڑ کر چلا جاتا۔ کبھی پتہ نہ تھا کہ کون سی نہیں۔“

”تیری جگہ کوئی دوزخ کی ہوتی تو سب عزق پر کہیں ڈوب کر مر جاتی اور تو اس سے مدد مانگ کر رہی ہے جس نے دنیا کی ہر نعمت پر وہ نیند کی تیرے آرام کا خیال رکھا۔ تیری خاطر تیرے باپ سے بری بنی۔ عہدی سے بتا کہ چھپ کر رکھی ہے۔ تیری دلی بھی آج گھر میں ہے۔ اس کے سامنے آج ہی حیران کن کراہی ہو۔ فرسے ساتھ نہیں رہ رہا تھا کہ اس سے بڑی دھمکی وہ سے نہیں دے سکتی۔

”کہہ تو رہی ہوں بس یہی تھی اور نہیں ہے میرے پاس!“ یہی نوج ہو کر یوں۔

”کہاں سے آئی تھی؟ پیسے سے لے کر رکھی ہوئی تھی؟“ وہ سے گھورنے لگیں۔

”میں آئی تھی کہیں سے ختم ہو گئی ہے۔“ وہ ان کی طرف سے رخ پھیرتے ہوئے تھیں۔

”ہوں اٹھیں ہے اب میں خود ادا کروں گی تم اب کالج نہیں جاؤ گی مجھے اب عذر نہیں ہے تم پر تم نے ہماری دی ہوئی آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھا لیا ہے۔ اب اس تمہاری شادی کرنے کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ نہ اچھا کرنا اور میرے ساتھ شاپنگ پر چلو۔ Aph's جانا ہے۔ گھر

میں ضروری چیزیں ختم ہو رہی ہیں۔ نوٹو یہاں نہیں ہے۔ تم اس سے کوئی مسئلہ کرو گی۔“ فاحرہ خاتمہ دل کی بجز اس نکال کر ہلکی ہو چکی تھیں۔

اب قدرے سکون سے بات کر رہی تھیں۔ ”تو“ سے ”تم“ پر آگئی تھیں جو اس کے عصب کے ٹکڑے کی علامت تھی۔

یہی نے ان کی طرف دیکھا۔ چند لمحے کچھ سوچا پھر روش روم کی طرف بڑھ گئی۔ فاحرہ خاتمہ باہر نکل گئیں۔ غصہ ہلکا پڑ گیا تھا مگر بے قراری و انتشار کی حیثیت ہنوز تھی۔



انصر علی دو پہر دو بجے گھر آ گیا تھا۔ گھر میں گہری خاموشی تھی۔ لڑکے بھی کمرے میں تھے۔ صرف ایک ماسی پائپ لگائے پورچ دھو رہی تھی۔ وہ گھر کا ایک چکر لگا کر ماسی کے پاس آیا۔

”گھر میں کوئی نہیں ہے؟“

”جی صاحب! بڑی بیگم صاحبہ کو تو ڈر نیور لینے آ گیا تھا صبح دس بجے۔ اور بھگت صاحبہ بی بی کے ساتھ کہیں گئی ہیں۔“ کہہ رہی تھیں دو تین گھنٹے میں آئیں گی۔ ”وہ جھانڈ پختی ہوئی اپنی ذہن میں بولی۔

”بی بی کے ساتھ؟ گاڑی کون چلا رہا تھا؟ صاحب کا آفس والا؟“ اس نے زیر لب بڑبڑانے کے بعد جانے کیوں پوچھا تھا۔

”نہیں جی! ڈرائیور تو کوئی نہیں تھا۔ بیگم صاحبہ خود ہی چلا رہی تھیں۔“ لائے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”تو بھری دو پہر میں کہاں گئی ہیں یعنی کوئے کر؟“ وہ الجھا ہوا پس انداز سے پوچھا۔

ست روڑ سے بھاگ لگ رہی تھی۔ سیدھا کچل میں پہنچا تاکہ کھانے پینے کا

تم شام کو بڑی توخیں ہو فرحان ... ؟" اب اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔
 "نہ ریت" فرحان بھی اس کی سنجیدگی محسوس کر کے سیریس ہو گیا
 "وہ مجھے ایک پرائلم ڈسکس کرنا ہے بلکہ تمہاری رائے لینا ہے۔" افسر علی نے
 قدرے آہستہ آہستہ کہا۔
 "اور شیور ...! آ جاؤ تم! شام چھ سات بجے تک دس بجے تک مجھے می کو
 لے کر P.C پکچنا ہے۔" کرن کا دلیدہ ہے۔
 "تو پھر کل ملتے ہیں تمہیں تیاری بھی کرنا ہوگی۔" افسر علی نے کہا۔
 "تیاری دوا کرے گا میری کیا تیاری؟" شیو بنا چکا ہوں کپڑے تیار
 ہیں دس منٹ میں تیار ہو جاؤں گا۔" جڈیو "میرے ساتھ یہ ثقافت مت کی
 کرو۔" فرحان تو غلط "پرائلم" سنتے ہی بے تاب سا ہو گیا تھا۔
 "او۔۔۔ کے" اچھر میں آتا ہوں شام چھ بجے تک
 "ٹھیک ہے۔۔۔۔۔! مل ویٹ کروں گا۔"
 چونکہ ملاقات ملے ہوئی تھی اس لئے فون پر مزید بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں
 تھی۔

فرحان نے ریسیور رکھ دیا تھا اور افسر علی کے دماغ میں چلتے محکوم گئے تھے۔



بہی ماں کے ساتھ شاپنگ بیگز اٹھائے گا ریت کی تو خوشی سے اس کی ہانکیں
 پیسے ہیں۔

سامنے جبری بڑی احتیاط سے اپنی کار بیک کر رہا تھا۔ یعنی کی تو کیفیت ہی بدل
 گئی۔ ماں کی موجودگی کے احساس نے بھی اسے پابند نہیں کیا۔ از خود رفتہ انداز میں وہ
 جی۔ جی۔ جی کی طرف دھڑکی اور اگلی سیٹ کی کھڑکی کا شیشہ اپنی کی رنگ سے بچنے
 لگی۔

فاخرہ بیگم تو چارنگ صورت حال تبدیل ہونے سے پریشانی ہو گئیں اس وقت
 تو یہی سوچا کرتا بھی تھا۔ نہیں تھا انہوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ جس کا تلب منی
 ہو گیا کرگئی ہے وہ کوئی فارر ڈرائیو کر رہا تھا۔
 قوی الجتہ، سرخ سفید گوشت سے بڑے بھاری ساچمہ ۵۰ مارل ۵۰۰ سے کہیں زیادہ
 عجم شیم سب۔ انہوں نے شا پر چھٹی سیٹ پر پھینکا اور تیز تیز چلتی منی کے قریب پہنچ
 اسی لمحے جبری کار سے باہر نکلا تھا۔ اس کے انداز کی وارنٹی فاخرہ خانم کو دیکھتے ہی
 ہوا ہو گئی۔ وہ ایک دم سنبھل گیا اور سوالیہ نظروں سے منی کی طرف دیکھا جو ماں کو قریب
 پا کر خامی مختاط ہو گئی تھی
 "جی جی۔۔۔ ایہ میری مدد ہیں۔" اس نے جھٹ تعارف کرایا۔
 جبری ایک چکر کاٹ کر کار کی اوٹ سے نکل کر فاخرہ خانم کے سامنے کھڑا ہوا اور
 نہیں وٹس کیا۔

فاخرہ خانم اب بہت غور سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"آپ؟" وہ سوال کرتے کرتے رک گئیں اور منی کی طرف دیکھنے لگیں۔
 جبری کی پرسنالٹی بہر حال بہت متاثر کن تھی۔ وہ فوٹس لینے پر مجبور تھیں۔

"میں عرب ہوں مگر پاکستان میں اسٹڈی کی وجہ سے اچھا خاصا وقت گزارا
 ہے میں جتنی اچھی اردو اور انکلاش بولتا ہوں، اتنی اچھی عربی نہیں بول سکتا۔"

فاخرہ خانم نے ایک مرتبہ پھر سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا پھر ایک نظر اس کی
 فار پڑائی۔

"کیا کرتے میں آپ؟"

"ہم بزنس والے ڈب ہیں فاسس کرتے ہیں اور بیٹھ کر کھاتے ہیں۔۔۔
 انکلی چارپانچ کسٹریز میں میرے ذہن کے فاسیوسٹ رہوٹر ہیں یونان میں ہمار فٹس
 نام ہے سب بتائیں اب اور کیا کرنا چاہئے۔ فی الحال تو پاکستان میں بزنس لک

دور بنا موبائل سے کر بیڈ پر دندھی گرمی۔ باتیں چد چا کر بہت اس ہنس کر بات کر رہی تھی۔

”تم بہت بے وقوف ہو۔۔۔ پہلے ہی اپنی می کو بتائیں تو تمہیں پراہم نہ ہوتی
میں نے اس لئے تمہارے گھر آنے پر بھی اصرار نہیں کیا کہ شاید تم پیرٹس سے چھپ کر
دوست بناتی ہو۔۔۔ تمہاری می تو بڑی ماڈی ہیں پھر کیا پرلم ہے؟“ حجازی سو رات
کر رہا تھا۔

”بس اتنی ہی ماڈی ہیں کہ دوستی دوستی پر اعتراض نہیں کرتیں مگر یہ ڈرنک ڈرنک اس
کی پریشن نہیں ہے۔ ان کے سامنے تم احتیاط کرنا سمجھو؟“ یہی نے سجدگی
اور آہستہ آواز میں تاکید کی۔

”ٹس۔۔۔ کے۔۔۔ پاکستان میں بہت سی فیسبر ہیں۔ ماڈرن نظر آنے کی
کوشش کرتی ہیں مگر اندر سے نہیں ہوتی۔ دن کے کرہنم کرنا بر نہیں سمجھتے۔ بھائی
کے جسے کی پر اپنی پر قبضہ کرنا گنہ نہیں۔ صبح سے رات تک وہاں کر جھوٹ بولنا جائز
ہے۔ کورس میں حلف اٹھ کر جھوٹی گواہی دینا غلط بات نہیں مگر ڈرنک کرنا سخت گناہ
ہے۔“ ۲۲۔۔۔ حجازی نے اپنی بات کے اختتام پر ہر دست قبضہ لگایا۔

یعنی نے تو اسی وقت اسے چٹکس ہونے کا سرٹیفکیٹ ایڈ کر دیا۔

”کتنی سوشل باتیں کرتا ہے یہ حجازی مذاق بات نہیں بلکہ
(Billions) میں بزنس کرتا ہے۔“ سے حجازی کے ساتھ اپنی دوستی پر بڑے فخر کا
احساس ہوا۔ جس نے کسی کو نہ کھدے میں چھپے احساس گنہ کو ایک لمحے میں اڑ چھو کر
دیا تھا اور نفس کو گری و برائی پر بے حد مضبوط کر دیا تھا۔

”برا ہمیشہ دوسروں کی برائیوں سے خود کو ڈھارس دیتا رہتا ہے کہ وہ اکیلا نہیں
ہے۔ سب کرتے ہیں اور وہ تو دوسروں سے کم ہی کام کرتا ہے۔ اتنا تو چل جاتا
ہے وغیرہ وغیرہ۔“

”تم بہت شاعر ہو حجازی اور بہت لگی بھی۔۔۔ تمہارے پاس سب کچھ ہے اچھے
دماغ سمیت۔“

”تھینک یو اسویٹ ہارٹ۔ اویسے مجھے یہ چھپنے چھپانے والے کاموں
سے سخت لری ہے۔ تم نے دیکھا ہے ناں میں کھل کر جیتا ہوں۔ خوف، ڈر، حقد
یہ تو بیماری ہے۔۔۔ سائیکو پیچیکل پراہم میری اپنی زندگی ہے۔۔۔ کسی سے قرض نہیں
لیتا۔۔۔ اپنا کتنا کھودتا ہوں اپنا پانی پیتا ہوں۔۔۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں البتہ باقی تک
لوگوں کو میری بہت پرواہ رہتی ہے لیکن میں تمہارے گھر ضرور آؤں گا۔ تمہاری در۔۔۔
انوشیش پر۔۔۔ مجھے تجسس ہے کہ وہ مجھ میں اتنا انٹرست کیوں سے رہی ہیں۔۔۔
فیس ٹوفیس ہوں گا تو بتاؤں گا کہ میں ڈرنک کرتا ہوں مگر بہت بولڈ ہوں۔ جھوٹ نہیں
بولتا۔ جھوٹ بولنا میری انسٹ ہے۔ میرے نزدیک کوئی تباہ نہیں کہ میں خوفزدہ
ہو کر جھوٹ بولنا شروع کر دوں۔۔۔ مائی فٹ۔“

”مائی گاڈ۔۔۔ اس مائی پرسن۔۔۔ ہوا۔۔۔؟ یہ تم لوگ کیسی لائف گزار رہے
ہو؟ ڈبل۔۔۔ سنڈ ڈرگ ریگ؟ اسٹریٹ کی مین سیدھا سیدھا کیوں نہیں
چلتے۔۔۔؟“ حجازی جی بھر کر حیران ہوا۔

”ف۔۔۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔۔۔؟ پیسہ بہت ہے اس لئے پیسے والوں کی
طرح جینا پڑ رہا ہے۔ لائف اسٹائل پوش Areas کا ہے مگر گھر سب نمازیں پڑھ
رہے ہیں۔“ یہی جیسے زچ ہو کر بولی۔

”مکی سیلوئس پہن کر پورے روزے رکھتی ہیں۔ افطار پارٹیز میں افطار ڈنر
میں جاتی ہیں۔ بس اتنی احتیاط کرتی ہیں کہ لپ اسٹک نہیں لگاتیں کہ روزہ مکروہ ہو جاتا
ہے اور پرفیوم نہیں لگاتیں کہ الکلکس کی وجہ سے نماز نہیں ہوگی۔“ یعنی نے پورا رور کا کر
اسے سمجھانے کی کوشش کی تا کہ وہ، حقدانہ قسم کی سچائی کے مظاہرے سے باز رہے اور اس کا
”عزہ“ کھوٹا نہ کرے۔

۱۔ یہ کہ جسے ہمارے ہاں میں ۱۰۰ - فکر نے سب سے زیادہ مصروفی و مشغولیت
 ۲۔ زمین پر علی بن ابی طالب علیہ السلام کا ظاہر ہوا تھا کہ وہ کبھی تیار نہیں ہو
 ۳۔ یہ کہ جو علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ہاں تھا

۱۔ ۵۵۰ ت میں چیلے جاے جس میں میر محمد
۲۔ ۵۵۱ ت میں چیلے جاے جس میں میر محمد
۳۔ ۵۵۲ ت میں چیلے جاے جس میں میر محمد

اور علی بھی اس پند میں آکا گیا۔ اس دن کے قلم مسکرت ہٹ سے ریرے آکر مسکرت

یہ ایک چھوٹا سا دھندلا ہوا ٹکڑا تھا۔ مرقعہ میں مسکایا ہوا تھا۔
 "یہ خیریت ہے ناں؟" "کس ہوش سے؟" "پھر بچی کے ساتھ
 "میںٹ چل رہی ہے؟" "مرحباں کے پاس چسپو بیٹھتے ہوئے بڑے تجسس کے

”کمال بات ہے“ چنگی د طرف سے تو پیش می نام ہو گئی۔ اب تو اس سے

میں : مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ عملی - بہت زیادہ ریسرچ کر کے جیسے ہو کے
تے کا آریا
میں : مسئلہ - بھی بڑا بہت ہے۔ "فرحان، اقلی

تجربہ لے کر

اب سیکھو، اب مجھ سے، اب دے میں کہ یہی ہے شادی

فرمان تھوڑی دیر سے وہاں پہنچا وہاں شری مسکر بیٹھنے لگا تھوڑی دیر

رہے گا۔
 "موسےؑ باکھل قماش لڑی سے وہ دنیا کی مجلسِ تہذیب و شہادہت پر
 کرکس اس پر اُحد لگتی ہے، لیکن استگنا نہیں چاہتا۔ گندہ تو بہرِ سبب ہوں۔ مجھے اس
 پر عقائد نہیں، اور کی ہستی ہیں وہ سب قلوب سے اس میں عقائد نہیں، گنا مجھے میل
 ہضم نہیں ہوتی۔"

لہذا کی کتاب میں حقوق میں آئے ہیں اور سب نے آئیں۔ تو ان کے لئے ایک اور ٹکڑاں ہے کہ تو اس کتاب ہے اور اس میں ہے ہیں تو پھر اس کا طبع ہونا چاہئے اس سے سادہ تو اس حقوق کا معاملہ ہے۔

جانتا ہے۔ جب یہ سنا کہ پنے وطن کا حسرت نہیں تو اسے اپنے حقوق کا شعور بھی نہیں ہوتا چاہئے۔ اگر وہ بخاطر ہے تو اسے یہ طرح سے بخاطر ہی شادی (۱۶۰)

ہونا چاہیے۔ کیا میں غلط سوچ رہا ہوں؟ فری علی نے حرف زد میں آ کر
 آمیزش تھی۔ جوتے جوتے وہ فرحان سے پوچھے گا
 کہ کونسا فری علی کے بچے میں فرحان کو ہمدست کی سرکشی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔
 یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ آج کل کے بچے کی زندگی میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔

خوبراق ہر لمحہ غلام رہتی ہے۔ وہ بھی ایک متورب سوچی کا حامل نوجوان تھا۔ اٹل
میں نسب ہی تھا۔ اور چھٹی ماں کی گود بھی۔ اور خواہاں ایک اہل ہتیار تھا۔ انساہوں پر
مداوات سمجھا کرتے کے سے زبردستانوں کو استہزاء کرنے سے باز نہ آتا تھا۔

”اس کی ہر بات مستند، بہن کے ساتھ اس سے ڈھیس کرنے یا تھکانے والی
 ہوگی۔ سچی نے اس کو گہرائی دی تھی۔“
 ”میں ایک بات تم صاف بتا کر دوں گا۔ باقی بڑے سات ۲۵ سالہ تارکے

کے سے بھلے دل سے اپنا وہ خوف بردار کی غلطی مگر یہاں تاہم میں
بہتر ہوگا یہ بتوں پر ایمان کے بدلے میں بہت بڑا موٹا ہے۔

روزہ سے شادی نہ کرنا کوئی حلال کام نہیں کیوں بھیڑ میں بہت جگہ ہیں

میں اتنی سم بات سمجھ سکتی تھی کہ ایک بے ، یہ انسان اسے بھی دو ٹوکے کی کر کے چاچکا ہے۔

ایسی بڑی کو کوئی بہت بڑے غیرت ہی قبول کرتا ہے وہ بھی قبول کرنے کے بعد اسے سرتنگوں پر نہیں بٹھاتا۔ جب پتی کرے پر آتا ہے تو تنگی گالیوں کے جھگڑے کرتا ہے وہ دن گاہوں سے نجات کے لئے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ جنہوں نے زندگی سے کچھ نہیں سیکھا ہوتا نہیں آداب غلامی سیکھنا پڑتے ہیں یا حرام موت کے طریقے۔

یہی اس مقام پر ہے بس تھی۔ بس اس سے ترکی پر ترکی کلام کرنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ نور جان کے تصور سے ایک ایت ہی زگ و پے میں اتر رہی تھی۔

فاخرہ خانم اسے خاموش پا کر خود بھی افسردہ سی ہو گئیں اور اسے جلد تیار ہونے کی تاکید کر کے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

اس وقت وہ بہت سنجیدہ تھی۔ توجہ منتشر نہیں تھی مگر تھی۔ رات جاری ہے اسے سخت ، یوں کہ تھا۔ یہ بڑی روح فرسا آگئی تھی کہ جس بندے کو وہ سب سے زیادہ اہمیت دے رہی تھی وہ نہایت ہی ناقابل اعتبار ہے۔ وہ است کیا جو بین ضرورت کے وقت منظر سے غائب ہو۔ اس احساس ہی نے اس کی زندگی کی گری مرد کردی تھی۔ وہ جھکے تھکے انداز میں وارڈ روم سے کپڑے نکالے گئی۔



سب سے پہلے فاخرہ خانم ہی ایک قابل اعتماد دوست۔ ریفرنس سے گائیکا کے پاس گئیں جو یک عمر سیدہ بیڈی ڈاکٹر تھیں۔

چہرے پر جی بھر کر مظلومیت طاری کر کے اپنی ”مہوم“ پتی کے ساتھ زیادتی کا ذکر کیا اور ان کو معائنے کے لئے کہا جس پر گائیکا نے اسے کے اس کی تاریخ معلوم کی اور مدت جان کر جواب دیا کہ اتنی مدت میں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ سنے بیڈ کا گزرا کر

وہاں کے پاس آئیں
فاخرہ خانم اداس اور بوسے سے کسی کو بے کردہ ہیں۔ گئیں۔ پھر پتے۔ فیس پیچیں
ورے دلی سے مینگ ٹینڈ کی۔

اس دوران یہی نے ہر طرح سے عدم دلچسپی ظاہر کی اور پتھر کا بت بنی بیٹھی رہی۔
ذہن مسلسل اپنے مطلب کی شے کے حصول میں سرگراں تھا۔

دنیا کی ہر شے کے معنی محسوس ہو رہی تھی۔ دل ایک دم ہنس کر رہا رہا کہ پتے کرے جیڑی اس وقت کہاں ہے۔ کیا وہ بھی اسے یاد رہی ہے۔ مگر اس کی طرف دیکھ کر بے بسی ہو جاتی۔

مینگ میں جو باتیں بھی ہوتی رہیں اس کے سر سے گزرتی رہیں۔ اللہ اللہ کر کے مینگ تمام ہوئی اور وہ دونوں گھر کی طرف چھیں۔

کارو خروہ خانم خود ڈرائیو کر رہی تھیں۔ یعنی قطعاً خاموش تھی۔ فاخرہ خانم نے بھی اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔

مگر جیسے ہی وہ کونٹھی کے گیٹ کے قریب پہنچی یعنی کی رگ رگ میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ ان کی کار کے پیچھے ہی جیڑی کی کار آ کر رز کی تھی۔

یہی تو جیسے ساری احتیاط بالائے طاق رکھ کر کار سے باہر نکل آئی۔

فاخرہ خانم نے سر میں حجازی کی کار کو دیکھا۔ ان کے احساسات بھی ایک دم خوشگوار ہو گئے۔ انہوں نے گیٹ کھلوانے کے لئے پے در پے ہارن بجا دیا اور کھڑکی سے

سراور ہاتھ نکال کر جیڑی کو دس کیا۔

گیٹ کھلتے ہی وہ کار اندر لے گئیں۔

یعنی نے بھی بے پایاں مسرت کا اظہار کرتے ہوئے حجازی کو کار اندر لے جانے کا

اشارہ کیا۔

جیڑی تو جیسے اس اشارے ہی کا منتظر تھا۔ زن سے کار اندر لے گیا اور فاخرہ خانم

نہار کے بعد بریں کارروائی اور کار سے فوراً باہر آ گیا۔
 بیوٹی ہاؤس پر "ٹھیک گارڈ" میں پسے نہیں گیا۔ ورت و یس
 جانا تھا آپ لوگ کہیں گے ہوئے تھے "اس سے کسی کی طرف دیکھ کر پوچھا
 جو گیت سے اندر آ چکی تھی اور خوشی سے کھلی پڑ رہی تھی۔
 "ہاں بس۔۔۔ اور۔۔۔ دو ایک کام تھے ضروری کو اندر آؤ" میں تو
 تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ "وہ پر تپاک انداز میں ججائی کا خیر مقدم کر رہی تھیں اور بیٹی کی
 خوشی کا عکاس نہ تھا۔

"بس اتنی۔۔۔ کل میں بہت بری رہا۔ سچ سو کر اٹھ تو دیکھا بیٹی کی بہت
 مس کاڑھیں۔۔۔ میں نے اسے گونگٹ کرے کی کوشش کی تو اس کا سیل آف مل
 سوچا چل کر خیریت پتہ کرتا ہوں۔" وہ بیٹی کو سویل نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب
 دے رہا تھا۔

"اوہ۔۔۔ خیر۔۔۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس نے سیل آف کر کے سو رہی
 ہوگی۔۔۔ آؤ۔۔۔ اندر آ جاؤ۔۔۔" فخرہ خانم نے خوش صداقتی کے ساتھ رڈ توڑنے کی
 کوشش کی۔ ججائی کو سامنے پا کر تو ان کا سارا پریشان ہی ہو گیا تھا۔
 تینوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ہارنگ روم میں آ گئے۔ بیٹی نے آگے بڑھ کر
 اسپتس کیا اور بیٹی کی سلائیڈر بھیج کر ڈرنگ روم میں آ گیا۔ اب۔۔۔ ہارنگ روم کی طرف
 نکلتی تھی اور اندر کی "ہارنگ روم" جا چکی تھیں۔

فخرہ خانم نے مسکرا کر ججائی کو تشریف رکھنے کے لئے ہارنگ روم سے کہا کہ اپنے
 "اسٹوڈنٹ" انٹرین کرے۔ ٹھنڈ گرم پوچھے۔ پھر اپنی ریت و بیج کی طرف دیکھتے ہوئے
 بولیں۔

"میں ابھی آئی۔۔۔ ڈرافٹ فریش ہو جاؤں۔ بہت دیر سے ڈر ہو کر رہی تھی
 حالت خراب ہو رہی ہے۔" یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئیں۔

بیٹی نے ایک گونہ سکون کا سانس لیا اور بی بی ادا سے خفا تھا انداز میں بولی۔
 "رات تم سے میرے سے بہت مس پی بیوٹی۔ رات دس بجے ہی تم آتے ہو۔
 ہو چکے تھے پھر رات بھر کیا کرتے رہے؟"
 "وہ" اس ایئر "وہ ایک پرانا دوست اتفاق سے آ گیا تھا۔ دوپہر سے
 بڑا قیمتی گھٹ "یا تھا" مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور شروع ہو گیا۔ کیا رات میری بات
 ہوئی تھی تم سے۔" وہ دماغ پر زور دے لیتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
 "لیوٹ" حسب تمہیں کچھ یاد ہی نہیں آج کی باتیں کرتے ہیں کل کی بات
 چھوڑو۔" بیٹی تو اسے سامنے پا کر سب کچھ بھلا بیٹھی تھی۔

"یار" تمہاری مدد تو بہت اچھی ہیں ایک مرتبہ بیس اور نوٹ کر یہ
 میں کچھ پزل بھی ہو رہا ہوں۔ وہ ایک دم سے مجھ پر تکی مہربان کیوں ہو گئیں؟ کیا
 وہ تمہارے سب دوستوں کو اتنی امپورٹنس دیتی ہیں؟" ججائی ہ حرہ خانم کی تکی آؤ
 بھگت سے بہت کاشس ہو رہا تھا۔

"جوان کو پسند آ جاتا ہے وہ اسی طرح اس کا خیال کرتی ہیں اور بہت میل سیل
 لڑکوں کی بہت قدر کرتی ہیں کہ بہت محنتی بچے ہیں۔" بیٹی یہ کہہ کر معنی خیز انداز میں کھنکھند
 کر رہی پڑی۔
 ججائی بھی مسکرا دیا۔

"ہاں" وہ تو تم نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ تمہارے اکیس گھر سے باہر جانے پر
 پابندی کیوں ہے؟"

"کیا مسئلہ ہے؟" ججائی کو ایک دم یاد آیا۔ کیونکہ بیٹی کے نائے سے اس
 نے بہت "بھجن محسوس کی تھی۔

"بھئی" وہ بیٹی نے مجھے Red Handed پکڑ لیا تھا۔ ان کا خیال ہے
 کہ Bad Compny کا رزلٹ ہے۔۔۔ بس۔۔۔ یہ بات ہے۔"

"اوہ...! تو کیا وہ اتنی سوشل ہو کر بھی اندر سے تنی کر رہی ہیں؟" اس کا مطلب ہے اگر جنیں میرے بارے میں پتہ چل گیا تو وہ تمہیں مجھ سے ملنے کے بھی مع کر دیں گی۔" "جاری ایک ام سے فکر مند نظر آنے لگا۔

"فانا کا ڈسک... تم نہیں کچھ بتا بھی مت... دیکھو تو، سوسائٹی میں سوشل ہو کر رہتے ہیں، اگر کسی فون بھی نہیں بیٹیں... مگر میں یہ سب کچھ کھیسیں ہوں... شاید اسی نے تیری ایکٹ کیا... مجھے بھی حیرت ہے کہ اتنی ترقی ہو کر بھی اسے برا سمجھتی ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی اور جاری بہت توجہ سے اس رہا تھا۔

"میں اسی سے حیرت کی طرف سے دروازہ کھدور فریٹس، روئل ہاتھ میں تھا، مدد نہ مل سکی، مگر جیسے اسے بہت بڑا دھچکا سا لگا۔ وہ تو رک گیا اور تقریباً چٹکیں پھڑک کر جاری کی طرف دیکھ پھر مٹی کی طرف متوجہ ہو۔ وہ جیسے کچھ سمجھ نہ سکی ہو۔

پھر ایک دم خود بخود سنبھل گیا اور بنا عاں سے یہ کچھ کہہ کر بندھ گیا۔ "ارسلینڈ! بارہ بند رادی۔"

جاری نے مٹی کی طرف دیکھا اور یوں نہ تھے جتنا کہ اسے اسے اسے بارے میں قہر کا ظہور کر رہا ہو۔ یہ "گوگنا" توں تھا۔

"چھوڑو... اب یہ ایک مضمون سے مجھ سے ہے... وہ وقت ضائع نہیں ہونی چاہیے... اس نے کہا تھا... اس نے کہا تھا..."

"بتانا ہاں... اس نے کہا تھا... اس نے کہا تھا... اس نے کہا تھا..."

"جس کے... میں تمہارے لئے پتہ چلا... اس نے کہا تھا... اس نے کہا تھا..."

"وہ میں... اس نے کہا تھا... اس نے کہا تھا... اس نے کہا تھا..."

میں۔" جاری نے بے تکلفی سے کہا۔
"مٹی بڑے جلد سے مٹی جیسے کوئی بہت بڑی نیکی کرنے چاہی ہو۔ جاری کی بے تکلفی تو گویا سرمایہ حیات تھی۔

▲ ▲ ▲

فریٹس خاص حوس یا حوسہ حوسہ حوسہ کرتا، دھڑا دھڑا دھڑا ان کے بیڈروم تک پہنچ گیا اور سہنگی سے دوڑا۔ دھڑا دھڑا
"کون؟" "فاروہ حوسہ حوسہ حوسہ"
"میں ہوں چچی جان... وہ سہنگی سے ہو..."
"ہاں فریٹس... اور وہ کب آئیں گے؟" "فاروہ حوسہ حوسہ حوسہ"
"دوڑا آئی۔"

فریٹس بیڈروم گھبرا کر اندر داخل ہو گیا۔
"فاروہ حوسہ حوسہ حوسہ کے سامنے بیٹھی بالوں میں برش چلا رہی تھیں۔ انہوں نے آئینے میں فریٹس کی طرف سوائے نظروں سے دیکھا۔

"وہ چچی جان... اڈراٹنگ روم میں..."
"ہاں ہاں... اگسٹ ہے مٹی کا... مصطفیٰ جاری... وہ لا پرواہی سے بولیں۔
"مگر وہ کیوں آیا ہے...؟" "فریٹس نے اچانک سے ہونے پوچھا۔

"میری پریکٹس سے آیا ہے... بہت اچھا لڑکا ہے... بڑھکتی ہے... اپنے باپ کا بزنس نکال کر کرتا ہے... دیکھنے میں بھی چھ ہے... مگر تم کیوں اتنے پریکٹس نظر آ رہے ہو؟" "وہ بولتے بولتے پلٹ کر فریٹس کو اٹھتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"یہ سب آپ کو مٹی نے بتایا ہوگا؟" "مگر اور کچھ نہیں بتایا شاید؟" "فریٹس نے اچانک سے ہونے پوچھا۔

"یہ مطلب؟"

”مطلب یہ کہ جی تو وہ شخص ہے جو نوڈ کے ساتھ اکثر یعنی کو چک بند ڈراپ کر رہا ہے۔ میں نے اپنے طور پر بھی اس کے بارے میں معلومات کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ آپ سے سولڈ ٹیس پر بات کر سکوں اس کا سہارا لے رہا ہے۔ مگر یہ بات کارکنم میں بھی انوکھی ہے۔ سنگٹ بھی کرتا ہے کچھ لوگ دیکھ رہے ہیں یہ جانوش ہے۔ اکثر اس کو باروم سے اٹھا کر لے جاتا پڑتا ہے۔ اس کی کہنی میں ہی یعنی کو یہ بت لگی ہے۔ میں تو آج اسے گھر کے اندر دیکھ کر پکڑا کر رہ گیا ہوں۔“ افسر علی ایک تواتر سے بول کر خاموش ہو گیا۔

فاخرہ خانم کا منہ ہلکا ہوا۔ اس نے سمجھیں یعنی کی پٹنی رہ گئیں۔ وہ برش رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی بڑی طاقت کر گزری ہیں۔

”تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسے بھی کوڈراپ کرتے؟“ انہوں نے ہنسنے لگا۔

”صرف پک کرتے جب وہ پکاتی ہے۔ آئی مین جب نور خان کے ساتھ آتی تھی تو ہوش میں نہیں ہوتی تھی۔ جب یہ پک کرنے لگتا تھا تو نوڈ ساتھ ہوتی تھی۔“ افسر علی نے ہنسی کی حالت دیکھ کر بہت ہی آہستہ آواز میں بتایا۔

”اوہ! کی گاڈ! فاخرہ خانم نے ہنسا پکڑا ہوا سر ہلکا کر دیا۔

”تا تو وہ بھی جانتی تھیں کہ اس قسم کے پرے درجے کے عیاشی اور عشق نہیں کرتے۔ عشق کا نتیجہ شادی ہو۔ تو اس کو کہنے کے لئے اپنی مٹی پیش کر رہی تھیں۔“

”اوہ تو! وہ“ افسر علی سے جلتی ہوئی بیڈ کے کنارے پر ٹک گئیں۔

”ف“ یہ کیا کہہ بیٹھیں۔

”افسر علی! اب تو جو ہو رہا ہے جتنی دیر بیٹھتا ہے بیٹھنے دو۔ یعنی سے کہہ دو کہ میری طبیعت چارک خراب ہو گئی ہے۔ میں ٹیبلٹ لے کر بیٹھ گئی ہوں۔“ اور

”کھو! اس یہ دھیان رکھو کہ یعنی اس کے ساتھ باہر نہ جائے۔ اگر دیکھو کہ وہ جانا

چاہ رہی ہے تو مجھے بلا لیتا۔ اب تم جاؤ۔“

وہ گرنے کے انداز میں لیٹ گئیں۔

افسر علی نے چند لمحوں کی طرف دیکھا، ورخا موٹی سے وہاں پٹ کیا۔ حوا کا تکیہ طور پر وہ اتنا معتبر تو ہو گیا تھا کہ فاخرہ خانم اس کی بات پر اعتبار کر لیتی تھیں۔



”تمہاری مٹی کو تو میری فرینڈ شپ پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو چلو آج کہیں کوئنگ پر چلتے ہیں۔ کوری پارک چلیں۔“ حجاری نے کافی کا بڑا سا ٹاف اٹھاتے ہوئے بڑے دل آویز انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔ جو تھوڑی دیر قبل مدرم مختلف سو ربات کے ساتھ رکھ کر گیا تھا۔

”کوری پارک اتنی دور“ یعنی نے حیران سی ہو کر آنکھیں پھیلانیں۔

”ہاریشس، ورسوئزر بینڈ تو بہت ہی دور ہیں۔ وہاں کیسے جاؤ گی؟“ حجاری نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

”ہاریشس؟“ وہاں کا تو تم نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ کیا خاص بات ہے؟“

”ہاں! یہی سمجھیں۔“

”بھئی! وہاں ہاررا ہوٹل انڈر کنسٹرکشن ہے۔ پندرہ دن بعد میری وہاں ٹریڈ یگور بیٹرز کے ساتھ فائنل میٹنگ ہے۔ موڈ ہے تو تیاری کر لو چلتے ہیں۔ بہت بجوائے کر دو گی۔“

”ہوں! یہی سوچ میں پڑ گئی۔“

”اتنی آزادی تو شاید نہ ملے گی تو ٹریپ ہو سکتی ہیں مگر وہ ہماری دائرہ بندی کی جان لگا جائے گی۔“

”دیکھتی ہوں گی سے بات کر کے ہم کوری پارک سے کب تک آئیں۔“

”یہی کوئی لمحہ کی تو پڑ گئی تھی۔ جذبات جا گئے تھے۔“

بچتی ہوئی ڈرائنگ روم میں لے گئیں۔
 جاری تو یہ نظر رہا کہ یہ کھلا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور مدعوں کو کریش کی طرف دیکھے گا۔
 "تم اس سے ڈرو؟" وہاٹ پوچھا۔ (کیا ہو؟)"
 "میرے ساتھ ایک سال کا خوب دوسری کی اقمالوں سے شادی رو سے تم اسے پسند کرتے ہو؟" بیٹھ اس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو؟" قاحرہ
 حارے کسی کو صوفے پر بٹختے ہوئے پوچھا۔ اپنی سادھی سبھا لے گئیں۔ سانس تیر تیز چل رہی تھی۔

وہ نو وائی میں نے آج تک کسی ٹرن سے اس طرح کی نمٹ سٹ میں کی میں شروع ہی میں کلیئر رہا ماسوں میں نے شادی کی بات کر کے کسی کسی لڑکی کو چھوڑ دیں یہ سو وائی ام پائیکل یہ کیا کہہ رہی ہے آپ سے؟ پوچھ میں آپ اس سے میں لے گئی اس سے شادی کی بات نہیں کی "خاری تو اب سار کو بیٹھیں کھو بیٹھا۔ بڑی ٹیپ بچو شادی تھی۔

یہ پی ماں سے کہتی ہے آپ ہوں کون تہ؟" میرے 110 من چکا ہے میں ہوا مختار ہوں کیا صرف 110 من جاے سے یہ ٹرن مڈ پڈٹ ہو جاتی ہے؟" قاحرہ حارہ کی طرف اشارے کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

"بہت غلط بات ہے یعنی تمہیں پانی مد سے سائنات بات نہیں کرنا چاہئے تم نے ان وجہ سے یہ شاید مدد رہی ہو میں نے تم سے کبھی شادی کے سے نمٹ سٹ میں میں شاید وہی ایسا سال ہیں مگر میں کبھی بھٹ نہیں دیتا اور نہ جھوٹے وعدے کرتا ہوں میں نے اس طرح کی بات گزار رہا ہوں میرے رطل میں یہ سب بچتا تھا۔ میں نے اس سے میں تمہاری مدد یہ سب پسند نہیں کرتیں تمہیں نہیں ٹاپا لے گی کی قیام جیتا ابد کیا تھا اور ہر جملہ

ایسا بول رہا تھا جو قاحرہ حارہ نے سے ہاٹ نکلتی تھا
 "میں کیا تم سے؟" قاحرہ حارہ سے اس میں کی طرف دیکھ
 "تو میں نے کب آپ سے کہا کہ مجھ سے شادی ٹاپا ہوتا ہے؟" میں
 سے نہایت بدتمیزی اور تنگی سے تھا۔
 "مورٹس کال گرلز ہٹی میں تو پیسہ کی خاطر تم سے نکلی گئی تو وہ بولکوں کی خاطر خود کو پیچھے کی سب غیرت پھر کب تک حب سب لے لے گا؟" میں
 لی میں گئے تو بیٹھ، نگے کی؟ شہر سے وہ پیسہ رانی میں خریدتے خریدتے ہیں اس کی بات تیری عقل میں نہیں آتی؟" قاحرہ حارہ بڑی بیہوشی طاری ہو گئی۔

"آج ٹھیک کہہ رہی ہیں ہم سوٹ ہی۔ وقت ہوا ہے قیمتی اس فرینڈ روپیش نہیں کرتے۔ ماریوں نگتی ہیں اس طرح کی زندگی گزارنے کے بندے ہو فائنش اسٹائلنگ ہونا چاہئے ہم ڈائری میں لکھ کر لے رہے ہیں یہی پاور ہارے فرینڈ سے پاس ہونا چاہئے Equality کی میں پر فرینڈ شپ ہونی ہے۔"

"یہی امیر خیاں ہے تم نے میرے بارے میں کچھ غلط سوچ لیا میں مڈ پڈٹ ہوں مگر تم نہیں ہو تمہیں مشکل ہوگی۔"

"اور کے اسٹی ایجھے فسوس سے آپ میری وجہ سے نہیں ہو میں؟" میں
 "اگر آپ کی مدد ادا نہیں کرتیں تو آپ مجھے کو میٹ نہ کریں؟" میں
 "اسے اتنی ہینڈ ٹھیکس فار ٹائٹس کافی ہائے میں ایک کیسہ؟" میں
 جی کی رنگ صحتابا سر نکل گیا۔

میں تو پتھروں طرح سہکتا اپنی جگہ بیٹھی رہی گئی۔
 قاحرہ حارہ نے ایک گراں مقررہ نظر میں پڑا۔

میں پینکس کے حرم میں جلد سے کہہ چکے تھے کہ ان کے پاس سے ہٹ جائیں۔ پینکس نے کہا کہ وہ اب بھی وہاں سے نہیں ہٹے گا۔ میں نے کہا کہ میں اسے مار دوں گا۔ پینکس نے کہا کہ وہ اب بھی وہاں سے نہیں ہٹے گا۔ میں نے کہا کہ میں اسے مار دوں گا۔ پینکس نے کہا کہ وہ اب بھی وہاں سے نہیں ہٹے گا۔ میں نے کہا کہ میں اسے مار دوں گا۔

یہیں کسی تو، نکل ڈٹ تھی۔ پھر پسے علاج کا کیسے سوچا جا سکتا تھا۔

سبھی سونے کا عالم کی چھبوں، دوسرے اور پانچویں تھی نہیں نے اس سے کچھ
سبھی چھبوں چھبوں تو مسئلہ کیسے حل ہوتا ؟

میں کا ہاتھ لگا کر شرب سے حیرت ہے تمہیں ماں جو نرچہ ہاتھ پہنچیں
 وہ میسے میں ہے چھٹی سٹی ہوگی اور سسٹ کی دیکھو دوسری ہے شادی
 شدہ ہوں تو ان کامیوں پہلی دمت میں کی گانا سے سسلٹ برتاؤ میں پر ہتھکی کی
 دمت آتی۔

سب بات چیت سے وہ اس شخص میں نہیں تھی۔ تھی اس کے بعد
 مدرسہ سے وہ ۱۹۴۷ء میں

[illegible]

نہایت میں اس کے اندر سے وہاں سے ہمارے دل میں ہے۔
وہاں میں ہمارے دل سے نکلتے ہوئے ہمارے دل سے غیر
ہمارے دل سے نکلتے ہوئے ہمارے دل سے نکلتے ہوئے

۱۔ ایک کشتی میں دو شخص تھے۔ ایک مسافر اور ایک کشتی کے مالک۔ مسافر نے کشتی کے مالک سے کہا کہ میں تم سے ایک کشتی چاہتا ہوں۔ کشتی کے مالک نے کہا کہ میں تم سے ایک کشتی نہیں دے سکتا۔ مسافر نے کہا کہ میں تم سے ایک کشتی نہیں چاہتا۔ کشتی کے مالک نے کہا کہ میں تم سے ایک کشتی نہیں دے سکتا۔ مسافر نے کہا کہ میں تم سے ایک کشتی نہیں چاہتا۔ کشتی کے مالک نے کہا کہ میں تم سے ایک کشتی نہیں دے سکتا۔

[illegible]

201
ہوگا۔ کیونکہ آنے والے آئندہ نو مہینوں میں یہ سسٹ حریہ نران آپ ہو چکی ہوگی
اس طرح کی سسٹ کیسر کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ ڈاکٹر شائستہ نے بہت طریقے
سے سمجھائے کی کوشش کی

”اگر وہ فاحر و خاتم کو چکراتا ہے۔“

انہوں نے بڑی بے بسی سے اُن کٹھن شہر تک ہر طرف اُٹھنا دیکھا۔

442

”میں اسے یورپ سے جاؤں“

۱۰ کثرت مشق

”میرتم بچی تسلی کرنا چاہتی سو تو میں تمہیں کیوں روکوں گی؟ اور چھ سے چلی جاوے کر یہاں یہ معاملہ کیسے چھپاؤ گی؟ بہر حال یہ تم نے غلطی کی۔ میرے پاس چلی آئیں اور گھر بیٹھ کر نسخے نہیں آراءے۔ ورنہ اس کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ تمہاری کلواتی بیٹی خیر و قدر رحم کرے ہم سب پر۔“

”میں نے خود غم کا دوا رو رہا تھا مگر نکلیں چٹانوں کی طرح جنگ
تھیں۔“

• • •

ایک وقتی حادثہ ہوتا ہے۔ معصوموں روگ ہوتا ہے بچے ملکہ اندھیرے کے گھر پر۔
 مسیحا کا سورج مسکرا رہا ہوتا ہے۔

ایک واقعہ ہوتا ہے جس کے وقوع پذیر ہونے کے بعد دنیا کی سرشتیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ خود مسکراتا تو کبھی دوسروں کی ہنسی نہ ہر گز لگتی ہے۔

بہت بھاری بات سن کر اپنے محل نما گھر میں جو پورے خانہ اس میں رہا کرتا تھا، اس نے اس فقر سے ہر وقت ان کے اعصاب تنے رہتے تھے بھنویں چڑھتی رہتی تھیں۔ وہیں میں تو بڑا جھکی سا گھایا محل۔

یوں جیسے قوم سہا کے عیالات میں سے کوئی نمونہ سامنے ہو۔ جائے عبرت، اللہ کی کوئی عظیم الشان نشانی، ریت مٹی پڑا رہ جاتا ہے۔

انسان اکڑا اکڑ کر چلتے ہوئے پل میں ادھر سے ادھر ہو جاتے ہیں یا کسی حادثے واقعے کے باعث جیتے جی مر جاتے ہیں۔ ساری عمر میں ایک اولاد وہ بھی دماغ کا نمونہ۔

راستے بھرائیوں نے یحییٰ سے بات نہیں کی۔ ہاسپٹل کے لاؤنج ہی میں سرد مہری سے بتا دیا تھا کہ مس کیرج نہیں ہو سکتا۔ تمہاری لائف کو خطرہ ہے۔

یحییٰ تو یہ سن کر اس وقت سے چپ تھی۔ اندر بہر حال ماں کا یقین تھا کہ یہ ناراض نظر آئے والی لعن طعن کرنے والی ماں اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرے گی ضرور۔ البتہ یہ سوچ ہی بہت بڑا عذاب تھی کہ آئے والے دنوں میں وہ پچھتہ جنم دے گی۔

”لوگوں کی شادی کو بیس بیس سال ہو جاتے ہیں۔ سارے زمانے کا زور مار کر بھی اولاد پیدا نہیں ہوتی۔ چوروں کی نشائیاں کیا کھٹ سے سامنے آ جاتی ہیں۔؟“ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔

◆ ◆ ◆

ان کا یورپ جانا کسی کے لئے بھی کوئی چونکا نے والی بات نہیں۔ یہ ان کے معمولات کا حصہ تھا مگر پورے چار مہینے کے لئے وہ کبھی نہیں نکلیں تھیں۔ چار مہینے میں چار مرتبہ جاتے کی روایت بہر حال موجود تھی۔ وہ بھی یحییٰ کو لے کر۔

علیہ بیگم نے یاد دلایا کہ وہ تو اس کی شادی کے لئے کوشش کر رہی تھیں کیا ہوا۔؟ تب انہوں نے کہا۔

”وہ افسر علی کو راضی کر لیں۔ میں آتے ہی شادی کر دوں گی۔“

علیہ بیگم کے لئے تو یہ بہت بڑی خوشی اور ڈھارس تھی۔ مارے خوشی کے انہوں نے بیوہ اور پوتی کو بڑے احترام سے امام شامین ہاتھ دھا اور خیریت کی دعا کی۔

پاکستان میں کمرے کے نام Testa کی رپورٹس ان کے ہمراہ تھیں۔

◆ ◆ ◆

بعض واقعات اتنے باقوت ہوتے ہیں کہ اچھے اچھوں کا لشہر ہرآن کر دیتے ہیں۔ وہ تو اتنی اذیت میں مبتلا ہوئی کہ نشے کے معنی بھول گئی۔

پہروں بیٹھ کر سوچا کرتی کہ اسے تو پر پکٹنے لگی کچھ پتہ ہی نہیں۔ کسی مرد کی انتہائی قربت کا اسے ہرگز تجربہ نہیں ہوا۔ نہ پیار کے پہلے مرحلے سے گزری نہ آخری اور ماں بن رہی ہے اور سسٹ کی وجہ سے کتنی اذیتوں سے گزر رہی ہے۔

ایک رات وہ بڑی اذیت میں تھی۔ طرح طرح کی سوچ اس کو پریشان کر رہی تھی۔ اسے یاد آیا کہ ایک مرتبہ دادو نے بڑے طنز یہ انداز میں سلطانہ ڈاکو کی کہانی یا آواز بلند سنائی تھی کہ سلطانہ ڈاکو سے اس کی ماں قید خانے میں ملنے آئی تو سلطانہ ڈاکو نے سلاخوں میں سے کسی طرح راہ بنا کر ماں کا کان کاٹ لیا۔ یہ اس کے شدید غصے کا اظہار تھا۔ قید میں ہونے کی وجہ سے وہ اتنا ہی کرنے پر قادر تھا۔

لوگوں نے کان کاٹنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا میں نے پہلی مرتبہ اٹھ چوری کیا ماں نے پکا کر کھلا دیا اگر پہلی چوری پر ہی یہ مجھے سزا دیتی تو آج میں اتنا بڑا ڈکونہ بنتا۔ وہ ایک دم وحشت زدہ سی ماں کے قریب آئی۔

”میں بہت تکلیف میں ہوں گی۔ آپ کیوں سو رہی ہیں۔؟ جاکیں میرے ساتھ۔ آپ جیسی الزام دارن سوسائٹی موو کرنے والی مائیں۔ ہمیں کہتی ہیں جاؤ ہائی فائی لڑکے پھنساؤ۔۔۔ آج کل اچھے رشتے ملنا بہت مشکل ہیں۔۔۔ خود ہی ہمیں آزادی دیتی ہیں۔۔۔ خود ہی گھر سے بے فکر کرتی ہیں۔۔۔ میری نانہ دادو کے زمانے میں لڑکیاں لڑکے کے پھانسنے باہر نہیں نکلتی تھیں تو کیا ان کی شادیاں نہیں ہوتی تھیں۔؟“ یحییٰ نے اپنے پیٹ کے بائیں جانب نیچے کی طرف ہاتھ کا ڈباؤ ڈالا۔ وہ شدید اذیت میں مبتلا تھی۔

فاخرہ خانم بدحواس ہو کر بیٹھ گئیں۔ ماں تھیں بیٹی کے زہریلے الفاظ سے زیادہ اس کی تکلیف کی طرف توجہ تھی۔

”بچوں کی نگرانی ایک خاص وقت تک ہوتی ہے یعنی.....! شعور کی منزل پر پہنچ کر سب کو اچھے برے کی تمیز ہوتی ہے۔“ وہ اسے گلے لگا کر رساتیت سے بولیں۔

”مئی.....! میرے تو کبھی کسی کے ساتھ فزیکل رشتہ نہیں تھے..... میں کیوں یہ عذاب اٹھا رہی ہوں.....؟ تو تو کو تو کبھی کچھ نہیں ہوا۔“ عمر اور تجربہ کم تھا تکلیف بڑی۔ وہ روتے روتے نکل گئی۔

فاخرہ خانم نے شدید دکھ کے ساتھ اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا کہ حادثات و واقعات کے ساتھ زمانے بھر کے اصولوں میں تبدیلی آ جاتی ہے مگر ”ماتا“ اس سے مس نہیں ہوتی۔

♦ ♦ ♦

چچا نے رضا مندی یا صلح مشورہ والی بات ہی نہیں کی۔ عطیہ بیگم بولتی رہتیں۔ وہ سنتا رہتا۔ حوصلہ ہی نہ ہوتا کہ بوڑھی دادی کو صاف جواب دے۔ جس سے یہ تاثر لیا گیا کہ اسے کوئی اعتراض نہیں۔

فاخرہ خانم کے آنے سے چند روز پہلے چچا نے اسے اگلے ماہ شادی کی نوید سنائی اور تاریخ پر رائے مانگی۔ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ حتیٰ کہ بہت خوبصورت کارڈز چھپ کر اس کے سامنے آ گئے۔

یعنی کے آنے تک ساری تیاریاں مکمل تھیں۔ یعنی تو ایسی قیامتوں سے گزر کر واپس آئی گویا اس کی تو گویائی سلب ہو گئی تھی۔ مردہ بچہ پیدا ہوا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر وہ منظر ہمیشہ کے لئے اس کے حافظے میں ٹھہر گیا۔

شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی۔ سنگ مرمر کے مجسمے کو ہر طرح سے سجایا گیا۔ سب نے دلہن کی بہت تعریف کی اور جس کے لئے یہ سب اہتمام ہوا اس نے سامنے

آتے ہی کہہ دیا۔

”بیٹی.....! سوری.....! تمہیں دینے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے..... میں نے خود کو بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر شاید یہ مرد کی سائیکولوجی ہے..... وہ آنکھوں دیکھی کبھی نہیں نکل سکتا..... بیوی کی پارسائی تو اس رشتے کی بنیادی مسرت ہوتی ہے..... مجھے بہت مجبوری میں یہ سب کچھ کرنا پڑا۔“

اتفاق سے وہ میڈیکل رپورٹس میں نے دیکھ لی تھیں..... چچی جان کار کے ڈیش بورڈ میں بھول گئی تھیں..... مجھ میں اتنا ظرف نہیں ہے..... میں خود کو ہر طرح سے چیک کر چکا ہوں..... مجھ سے کوئی اچھی امید نہ رکھنا۔“

یعنی نے بڑے صبر و سکون سے اس کی بات سنی۔ پھر عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

”تم نے تو میری مشکل ہی آسان کر دی افسر علی.....! میں تو پہلے ہی سوچ چکی تھی کہ میں تمہارے یا کسی بھی اچھے مرد کے لائق نہیں ہوں..... تمہارا احسان تو مجھ سے برداشت ہی نہیں ہوگا۔“

”میں تمہاری دوسری شادی خود کراؤں گی..... یوں سمجھو یہ نکاح مجھے ایک سکیورٹی کا احساس دیتا رہے گا..... اب کوئی مجھے آزمانے کی ہمت نہیں کر سکے گا..... تم اپنے آپ کو آزاد سمجھو۔“

حقیقی قربت تو وہی ہوتی ہے جس میں کوئی خلش نہ ہو۔ یہ ایک بیٹاق تھا جو اندر کی جنگ میں جلا دو انسانوں کے درمیان پہلی رات ہی ملے پا گیا تھا۔

♦ ♦ ♦

وہ جانے کب سے بالکشی میں کھڑی گہرے خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کار اشارت ہونے کی آواز پر چونک پڑی۔

افسر علی کا بیٹا اپنی بہن کو کوچنگ سینٹر چھوڑنے جا رہا تھا۔

انیس سال کا گھبرو جوان اور پندرہ سال کی خوبصورت شائستہ مزاج بیٹی۔

وہ لوں بچوں پر نظر پڑتے ہی اس کی روح شاد ہو گئی۔
 افسر علی کی بھی بچہ پر ہنس مچا۔ وہ افسر علی کی پسند تھی۔ یہی اسے خود رخصت کرا کر لاتی
 تھی۔
 اس کے ساتھ ہی اسے یوں محسوس ہوا تھا گویا اس نے اپنی ساری غلطیوں کا تادون
 ادا کر دیا۔
 وہ ایک نفل پر کھانا کھاتے تھے مگر یہی نے کبھی استحقاق کی ایک نگاہ غلط بھی افسر علی
 پر نہیں ڈالی تھی۔

ان گزرے ہوئے بائیس سالوں میں نہ ماں باپ رہے نہ دادی۔
 وہ بہت ذمہ داری سے باپ کا بزنس چلا رہی تھی۔ اس معاملے میں افسر علی کا ہر
 طرح کا تادون اس کے ساتھ تھا۔

افسر علی کی بیوی کو یہی نے یہ کہہ کر مطمئن کیا تھا کہ اس کو سیریس گانگی پرائیم ہے۔ وہ
 شادی کے قابل نہیں تھی مگر ماں نے زبردستی کر دی۔ مگر وہ افسر علی کے فطری اور انسانی
 حقوق کو تسلیم کرتی ہے اور سیکنڈ میریج الاء کرتی ہے۔

افسر علی کے بیٹے کی کار باہر نکلتے ہی ایک کار اندر داخل ہوئی۔ وہ افسر علی کی تھی۔

دونوں میاں بیوی بیٹھے ہوئے تھے۔

بیٹی کی آنکھیں بلا ارادہ بند ہو گئیں۔

گلابی کاغذ پر محبت نامے لکھنے کا ایک زمانہ آتا ہے۔ یہ عہد فطرت سے تصادم کی تندر
 ہو جانے تو عورت کے مقدر میں صرف زرد پھولوں کا موسم ہوتا ہے۔

صرف ایک موسم۔

کبھی نہ ختم ہونے والا انتظار۔

ہر آن آہٹوں پر ٹھہری ساعتیں مگر فوراً صرف سناٹا۔

گلابی کاغذ پر تصویر اتنی محبت نامے لکھنے اور وصول کرنے کا دورانیہ انسانی زندگی

میں آتے والے تمام ادوار میں سب سے ٹھہر اور یادگار دور ہوتا ہے۔ جس سے
 تازہ نگہ حرارت کشید کرتا ہے۔

جو انسان اس فطری مسرت کے احساس سے محروم رہے وہ زندگی کی توانائی کی
 احساس سے کشید کرے گا۔؟

”میں اٹھارہ سال کی ہوئی۔۔۔“

”پھر چالیس سال کی ہو گئی۔۔۔؟“

”کہاں گئے میرے بائیس سال۔۔۔؟“

”جھوٹ بولنے اور Good Will بنانے میں اتنا وقت لگ گیا۔۔۔؟“

مشہور ناول نگار ”رفعت سراج“ کے مقبول ترین ناول



م۔ بی، انڈوسٹریل ایریا، لاہور

فون: 7312159 - 7234137

طاہر سنز